محمود، فاروق، فرزانہ اور
انسپکٹر جمشید کے کارنامے

یہ بچے خطرناک ہیں

اشتیاق احمد

دو باتیں

پہلی اور نہایت اہم بات تو یہ کہ اب میرے ناول آپ کو "مکتبہ اشتیاق" کے تحت ملا کریں گے... اور نہایت باقاعدگی سے ملا کریں گے، یعنی ہر ماہ کی پہلی تاریخ کو۔ پہلی تاریخ کو اس لیے بھی کہ آپ کی جیب گرم ہوتی ہے اور ناول خریدنا مشکل نہیں لگتا، آپ بے خطر پہلی تاریخ کو اپنے سٹال پر آئیں، کتابیں وہاں موجود پائیں گے۔

اب باقی بات "یہ بچے خطرناک ہیں" کے بارے میں۔ آپ جانتے ہی ہیں محمود، فاروق اور فرزانہ خطرناک بچے ہیں، لیکن آپ کو ان سے ڈرنے، گھبرانے، کپکپانے اور خوف کھانے کی ضرورت نہیں، یہ خطرناک ہیں مجرموں کے لیے، وطن کے دشمنوں کے لیے... آپ کے تو دوست ہیں، تبھی تو آپ انہیں بے تحاشہ پسند کرتے ہیں، اس ناول کے ساتھ ہی آپ "کان کا راز" پڑھیں گے۔

اشتیاق احمد

بار اوّل ______ جنوری ۱۹۸۰ء
تعداد ______ ۲۰۰۰ ہزار
طابع ______ الجدہ پرنٹرز لاہور
قیمت ______ چار روپے پچاس پیسے

مکتبہ اشتیاق
۱- شیخ سٹریٹ ۱۶۹ اسلام پورہ لاہور

ترتیب

تار ملتا ہے

سڑک پر تیسرا بچہ مردہ حالت میں ملا تو مراد آباد میں سنسنی اور خوف کی لہر دوڑ گئی۔ والدین نے بچوں کو سکول بھیجنا بند کر دیا اور انہیں گھروں میں بند کر دیا، آج سے دو روز پہلے جنوبی سڑک پر ایک مردہ بچہ ملا تھا۔ پولیس کو خبر ہوئی تو وہ بچے کو اٹھا لے گئی، جلد ہی اس کے ماں باپ بھی پہنچ گئے۔ انہوں نے بتایا کہ بچہ کل دوپہر سکول سے آتے ہوئے غائب ہو گیا تھا، پولیس کے ڈاکٹر نے بچے کی لاش کا اچھی طرح معائنہ کیا، لیکن اسے کہیں کسی زخم کا نشان نہ ملا، گلا بھی نہیں گھونٹا گیا تھا، آخر طے یہی ہوا کہ اس کا پوسٹ مارٹم کیا جائے گا تاکہ معلوم ہو سکے، بچہ کس طرح مرا۔

پوسٹ مارٹم کی رپورٹ سے کچھ پتا نہ چلا اور اس بات نے ڈاکٹروں اور پولیس کو چکرا کر رکھ دیا، بچے کا ہارٹ بھی فیل نہیں ہوا تھا، وہ جسمانی طور پر بھی کمزور نہیں تھا، اسے کوئی بیماری بھی نہیں تھی۔۔۔ تو پھر۔۔۔ آخر وہ مر کس طرح گیا۔ یہ ایک ایسا سوال تھا جو مراد آباد کے ہر باشندے کے ذہن میں گونجا،

لیکن اس کا جواب کسی کے پاس نہیں تھا۔ پوسٹ مارٹم کی رپورٹ میں صرف اتنا ضرور کہا گیا تھا کہ بچہ دم گھٹنے سے مرا ہے، اسے آکسیجن نہیں ملی، لیکن سوال تو یہ تھا کہ اسے آکسیجن کیوں نہیں ملی، ہوا میں آکسیجن کی کوئی کمی تو نہیں پڑ گئی تھی۔ اس کا منہ اور ناک بند کرنے کے آثار بھی نہیں ملے تھے، پھر بھلا اس کا دم کس طرح گھٹ گیا۔ کوئی بھی اس کا جواب نہ دے سکا۔ پولیس والے اس بنا پر پریشان تھے کہ دوسرے دن کے اخبارات میں ان کے خلاف بہت کچھ شائع ہونے والا تھا۔

لیکن دوسرے دن اخبار آنے سے پہلے لوگوں کو شمالی سڑک پر ایک اور بچہ ملا، یہ بھی مردہ تھا۔ پولیس آئی اور بچے کو اٹھا کر لے گئی، اس کے رشتے دار بھی پہنچ گئے۔ ایک کہرام مچ گیا۔ پوسٹ مارٹم کیا گیا تو رپورٹ وہی تھی جو کل والے پوسٹ مارٹم کی۔ اب تو سب بہت گھبرائے، لیکن صبر کا پیمانہ تو تیسرے دن چھلکا جب تیسرا بچہ مردہ حالت میں ملا اور لوگوں نے بچوں کے لیے گھروں کے دروازے اندر سے بند کر دیے۔

پولیس، محکمہ سراغرسانی اور دوسرے حکام ایک جگہ جمع ہوئے اور پھر طے یہ ہوا کہ ان حالات کی خبر دارالحکومت میں بھیجی جائے کیونکہ معاملہ حد درجے خوفناک اور پر اسرار ہے، کہیں عوام سرکاری دفاتر پر دھاوا نہ بول دیں۔ اسی وقت دارالحکومت میں ٹیلی فون کیے گئے، وہاں بھی خوف اور پریشانی کے عالم میں یہ خبر گردش کرنے لگی اور آخر اس مہم پر فوری طور پر انسپکٹر جمشید کو بھیجنے کا پروگرام بنایا گیا، جس وقت یہ پروگرام بنا، جہاز کی روانگی میں صرف چند منٹ باقی تھے، چنانچہ انہوں نے گھر فون کر کے اپنی روانگی کی اطلاع دی اور پھر ایئرپورٹ کے لیے روانہ ہو گئے۔

آدھ گھنٹے بعد وہ مراد آباد میں پولیس ہیڈ کوارٹرز کے ہال میں موجود تھے۔ یہاں پولیس حکام... ہسپتال کے دو ڈاکٹر اور دوسرے آفیسر موجود تھے۔ تمام واقعات کی تفصیل انسپکٹر جمشید کو سنائی گئی۔

"کیا تیسرا بچہ دفن کیا جا چکا ہے؟" ان کے خاموش ہونے کے بعد انسپکٹر جمشید نے پہلا سوال کیا۔

"مغرب کی نماز کے بعد جنازہ لے جانے کا پروگرام تھا، ابھی جنازہ گھر میں ہی رکھا ہوگا۔"

"بہت خوب! میں اس کے دفن ہو جانے سے پہلے اس کا جائزہ لینا چاہتا ہوں، ڈاکٹر نعمانی اگر آپ میرے ساتھ چلیں تو بہت مہربانی ہو گی۔" انہوں نے انچارج ڈاکٹر سے کہا۔

"لیکن آپ اس کا معائنہ کر کے کیا کریں گے، ہم نے تینوں بچوں کا بہت غور سے جائزہ لیا ہے اور پوری احتیاط سے پوسٹ

مارٹم کیا ہے۔"

"اس کے باوجود میں دیکھنا چاہتا ہوں۔" انہوں نے نرم لہجے میں کہا۔

"بہت اچھا! مجھے کوئی اعتراض نہیں، میں تیار ہوں۔"

"تو پھر چلیے... کہیں جنازہ چلا نہ جائے۔" انہوں نے اٹھتے ہوئے کہا۔

تھوڑی دیر بعد وہ اس گھر میں پہنچ گئے جہاں لوگ دھاڑیں مار مار کر رو رہے تھے۔ جن کے جگر کا ٹکڑا اس دنیا سے انتقال کر گیا تھا، بچے کے ماں باپ سے جب یہ کہا گیا کہ وہ لاش کا جائزہ لینا چاہتے ہیں تو وہ بہت حیران ہوتے کیونکہ یہ کام تو پہلے ہی ہو چکا تھا اور پوسٹ مارٹم تک ہو چکا تھا۔ آخر انسپکٹر جمشید نے انہیں نرم الفاظ میں سمجھایا کہ وہ اس کوشش میں ہیں کہ بچوں کے ساتھ یہ سلوک کرنے والے گرفتار ہو جائیں تاکہ بھی والدین سکون کا سانس لے سکیں، آخر انہوں نے حامی بھر لی... جنازے والا کمرہ خالی کرا دیا گیا اور وہاں صرف انسپکٹر جمشید اور ڈاکٹر لغمانی رہ گئے۔

انسپکٹر جمشید نے کفن سرکا سرکا کر بچے کے جسم کے ایک ایک حصے کا جائزہ لیا، جلد کا ایک ایک انچ دیکھا اور آخر مایوس ہو کر اٹھ کھڑے ہوئے۔

"افسوس! کچھ نظر نہیں آیا۔" انہوں نے کہا۔

"میں نے تو پہلے ہی کہہ دیا تھا، آیئے چلیں۔" ڈاکٹر لغمانی نے منہ بنا کر کہا۔

"ایک منٹ ٹھہریں، میں کچھ سوچ رہا ہوں، کوئی خیال مجھے رہ رہ کر آ رہا ہے..." یہ کہتے ہوئے وہ ایک بار پھر مردہ بچے پر جھک گئے، انہوں نے اسے اٹھا دیا اور اس کی کمر کو غور سے دیکھنے لگے اور پھر وہ چونک اٹھے، انہوں نے جلدی سے اپنی جیب سے عدسہ (شیشہ جس میں چیزیں کئی گنا بڑی نظر آتی ہیں) نکالا اور پھر جھک کر ایک جگہ کو غور سے دیکھنے لگے۔

"ڈاکٹر صاحب... ذرا اس جگہ کو غور سے دیکھیے، کیا یہاں ایسا نشان نہیں ہے جیسے کوئی بہت ہی باریک سوئی چبھی ہو۔" انہوں نے حیرت زدہ لہجے میں کہا۔

"لایئے!" ڈاکٹر بھی حیران ہو کر بولے اور شیشہ لے کر اس پر جھک پڑے، پھر بولے۔

"سوئی کی نوک لگنے کا سا نشان تو یہاں بے شک موجود ہے، لیکن اس سے ہم کیا معلوم کر سکتے ہیں جب کہ پوسٹ مارٹم کی رپورٹ زہر وغیرہ کی نہیں، دم گھٹنے کی کہانی سنا رہی ہے۔"

"ہاں! آپ ٹھیک کہتے ہیں، اس کا مطلب ہے ہم اپنی معلومات میں کوئی اضافہ نہیں کر سکے۔ خیر آیئے چلتے ہیں۔" انہوں نے

کہا اور باہر نکل آئے، والدین سے افسوس کا اظہار کرتے ہوئے
واپس دفتر کی طرف روانہ ہو گئے۔

انسپکٹر جمشید سوئی جیسے اس نشان کے بارے میں جوں جوں
سوچتے جارہے تھے۔ ان کا ذہن الجھتا جا رہا تھا، دوسری طرف انہیں
یہ خوف بھی تھا کہ کہیں کوئی اور بچہ شکار نہ ہو جائے۔ ہیڈ کوارٹر
پہنچے تو سب لوگ ان کا انتظار کر رہے تھے۔

"کہیے جناب! کچھ پتا چلا؟" ایک آفیسر نے کہا۔

"افسوس نہیں... تاہم بچے کی کمر پر سوئی جتنا باریک ایک
نشان ضرور ہے، لیکن اس سے کیا ہوتا ہے جب کہ پوسٹ مارٹم
کسی زہر کی کہانی نہیں سناتا۔" انہوں نے جواب دیا۔

"ہو سکتا ہے، وہ کوئی ایسا زہر ہو جو اپنے نشانات نہ چھوڑتا
ہو۔" اسسٹنٹ ڈاکٹر نیر کریم نے کہا۔

"آج تک کسی ایسے زہر کے بارے میں سننے میں تو آیا نہیں۔
لیکن شاید کوئی ہو۔" ڈاکٹر نعمانی بولے۔

"بہر حال یہ وارداتیں ہیں حد درجے پُر اسرار اور افسوس
ناک، نہ جانے وہ کون درندہ ہے جو ایسا کر رہا ہے؟" انسپکٹر
جمشید بولے۔

"درندہ..." ڈاکٹر نعمانی کے منہ سے نکلا۔ "ہاں! آپ نے
اس کے لیے ٹھیک ہی نام لیا ہے، لیکن ہم اس درندے کو

کہاں تلاش کریں۔"

"تلاش کا کام مجھ پر چھوڑ دیں... ہے تو وہ مراد آباد میں
ہی، مجھ سے بچ کر جائے گا کہاں، میں تو حیران صرف اس بات
پر ہوں کہ وہ یہ سب کر کیا رہا ہے اور ہے کون؟"

○

"اس مرتبہ ابا جان ہم سے چال کھیل گئے۔" فرزانہ مایوسانہ
لہجے میں کہہ رہی تھی۔

"وہ کیسے... ابا جان تو ہمیشہ مجرموں کے ساتھ چالیں کھیلتے ہیں
اور اس میں ایک فیصد بھی جھوٹ نہیں کہ ہم مجرم نہیں ہیں۔" فاروق
مسکرایا۔

"مطلب یہ کہ وہ ہمیں بھی گھر سے سیدھا ایر پورٹ پہنچنے کے
لیے فون پر کہہ سکتے تھے اور ہم یہاں سے ٹیکسی میں بیٹھ کر تقریباً
ان کے ساتھ ایر پورٹ پر پہنچ جاتے، اس طرح ہم بھی مراد آباد
دیکھ لیتے، سنا ہے، بہت پُر فضا علاقہ ہے، وہاں کے پہاڑ اور
ہرے بھرے درخت دل کو بہت بھاتے ہیں۔" فرزانہ کہتی چلی
گئی۔

"بھاتے ہوں گے تمہیں اور وہ بھی ان حالات میں... جب کہ
ابا جان کو اس قدر فوری جانا پڑا ہے، یہاں تو سیر کا پروگرام بنا

کر بھی نکلتے ہیں تو کوئی چکر گلے پڑ جاتا ہے۔" فاروق نے کہا۔
"تو تمہیں مراد آباد نہ جانے کا کوئی افسوس نہیں۔" محمود تنک کر بولا۔
"یہ افسوس کی نہیں خوشی کی بات ہے اور میں بہت خوش ہوں۔" فاروق نے ہنس کر کہا۔
"خدا جانے وہاں کیا معاملہ پیش آیا ہے اور ابا جان کن حالات کا شکار ہوں گے۔" محمود نے غمگین آواز میں کہا۔
"حالات کا شکار ابا جان نہیں بلکہ حالات ابا جان کے شکار ہوں گے۔"
فاروق کا جملہ بیگم جمشید نے بھی سن لیا، وہ بے ساختہ مسکرا دیں۔ چائے کی ٹرے اٹھائے ناشتے کی میز کی طرف آ رہی تھیں۔ آج پھر انہیں انسپکٹر جمشید کے بغیر چائے پینی تھی، وہ ایک روز پہلے مراد آباد جا چکے تھے اور ابھی تک لوٹ کر نہ آنے کا مطلب یہ تھا کہ انہیں وہاں نہ جانے ابھی اور کتنے دن لگ جائیں...
"امی جان! آپ بھی اس کی باتوں پر ہنسنے لگیں۔" فرزانہ نے منہ بنایا۔
"اور کیا... آپ کو تو صرف فرزانہ اور محمود کی باتوں پر ہنسنا چاہیے۔ چٹ پٹے جملے تو یہ دونوں ہی ادا کرتے ہیں۔" فاروق جل کر بولا۔

"بس جل گئے، میرے ایک ہی جملے سے!"
"بھئی فرزانہ، بہت طاقت ور ہے تمہارا جملہ۔" محمود نے خوش ہو کر کہا۔
"ہاں! ہرکولیس جتنا طاقت ور تو ضرور ہی ہو گا۔" فاروق گنگنایا۔
"اور اب جنگوں میں اسلحے کی بجائے جملے ہی تو استعمال ہوا کریں گے۔"
"یار کبھی تو تُک کی بات بھی کہہ لیا کرو، یہ حسرت ہی رہی۔" محمود بولا۔
"مجھے تمہاری حسرت سے کیا، رہے نہ رہے۔" فاروق نے مسکرا کر کہا۔
"شروع ہو گئے! اب کہاں رکیں گے اور چائے ٹھنڈی ہو جائے گی۔" بیگم جمشید جھلا اٹھیں۔
"معاف کیجیے گا امی جان... اب ہم پہلے چائے پئیں گے، پھر نوک جھوک شروع کریں گے۔" فاروق بولا۔
"کیوں — کیا یہ بہت ضروری ہے اس کے بغیر گذارا نہیں ہوتا۔"
"جی ہاں! کم از کم میرا پیٹ تو بھرتا نہیں۔" فاروق نے کہا۔
"ثابت ہوا، فاروق کھانے کی بجائے چٹ پٹے جملوں سے پیٹ بھرتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ آئے دن اس کا ہاضمہ خراب

رہتا ہے۔" محمود نے اعلان کرنے والے انداز میں کہا۔

"مجھے تو کوئی ایسا دن یاد نہیں آ رہا جس دن میں نے ہاضمہ خراب ہونے کی شکایت کی ہو۔" فاروق نے بوکھلا کر کہا۔

"تمہاری یادداشت خراب ہو گئی ہے۔" فرزانہ تڑ سے بولی۔

"اچھا! یہ میرے لیے بالکل نئی اطلاع ہے، بہت بہت شکریہ! کیا خبر میں کسی سے یہ کہہ بیٹھتا کہ میری یادداشت بہت تیز ہے۔" فاروق کا لہجہ شریر تھا۔

"باتوں میں تم سے بازی لے جانا بہت مشکل ہے۔" فرزانہ نے مایوسی سے شانے اچکائے۔

"تو پھر بازی لگاتی ہی کیوں ہو... جاؤ، سکول کا کام کرو۔"

"چائے پی کر جاؤں گی، میرے سکول کے کام کے تم کب سے نگران بن گئے۔" فرزانہ نے تلملا کر کہا۔

"غصہ اچھی بات نہیں، یہ عقل کو مار دیتا ہے... اور عقل بے چاری موت کی نیند سو جاتی ہے۔" فاروق نے بڑے بوڑھوں کے سے انداز میں کہا۔

"کاش! کوئی چیز تمہاری زبان کو بند کرنے والی بھی ہوتی۔" محمود نے آسمان کی طرف سر اٹھایا۔

"ایسی تو بہت سی چیزیں ہیں۔" فاروق نے جلدی سے کہا۔

"مثلاً... ذرا میں بھی تو سنوں۔" فرزانہ نے حیران ہو کر کہا۔

"مثلاً گرم گرم جلیبیاں... ٹھنڈی ٹھنڈی آئس کریم، یا پھر قلمی آم... یہ تین چیزیں کافی ہیں یا اور نام گنواؤں... یہ بھی سن لو... جب میں یہ چیزیں کھانے میں مصروف ہوتا ہوں تو میری زبان بالکل خاموش ہوتی ہے۔ اب اگر تم چاہتے ہو کہ میں نہ بولوں... ان تینوں چیزوں میں سے کوئی ایک چیز کافی مقدار میں میرے سامنے رکھ دو۔ پھر تم بے شک زبان چلاتے رہنا، لیکن میں کسی بات کا جواب تک نہیں دوں گا، اپنی طرف سے کوئی بات کہنا تو درکنار۔" فاروق روانی کے عالم میں کہتا چلا گیا۔

"محمود! بازار میں نقلی قلمی آم مل جاتے ہیں... ایک پلیٹ میں لا کر اس کے سامنے رکھ دو، کبھی ختم بھی نہیں ہوں گے اور فاروق کی زبان ہمیشہ ہمیشہ کے لیے خاموش ہو جائے گی۔" فرزانہ نے ترکیب بتائی۔

"بہت خوب! کتنی لاجواب ترکیب ہے، ترکیبیں سوچنے میں فرزانہ تمہارا واقعی جواب نہیں۔" محمود نے خوش ہو کر کہا۔

"سوائے الجبرے کے فرزانہ ہر چیز میں لاجواب ہے... اس بات کو تو میں بھی تسلیم کرتا ہوں۔" فاروق نے شوخی سے کہا، اور بیگم جمشید کسی طرح بھی اپنی ہنسی نہ روک سکیں۔

"اس الجبرے کے طعنوں نے مجھے تنگ کر دیا ہے، اب میں اس مضمون کی طرف خاص توجہ دوں گی۔" فرزانہ نے جھلا کر کہا۔

"خاص توجہ دینے سے بھی کچھ نہیں بنے گا، الجبرے کے ایک ماہر کی خدمات حاصل کرو، وہ چند دن میں ہی تمہیں ماہر کر دے گا۔" فاروق نے گویا نصیحت کی۔

"اور اس ماہر کا نام کیا ہے۔" فرزانہ جلدی سے بولی۔

"فاروق!" فاروق نے جلدی سے کہا۔

فرزانہ تلملا اٹھی، جواب میں کچھ کہنے ہی والی تھی کہ دروازے کی گھنٹی بج اٹھی۔

"یہ اس وقت کون آ گیا۔" بیگم جمشید کے منہ سے نکلا۔

"گھنٹی بجانے کا انداز نہ تو ابا جان کا ہے اور نہ بیگم شیرازی کا، تو پھر آخر یہ کون ہے۔" فرزانہ نے سوچ میں ڈوبتے ہوئے کہا۔

"کہیں یہ ٹیلیفون کے محکمے کے آدمی نہ ہوں، آج انہیں بھی تو اپنا کام مکمل کرنے کے لیے آنا تھا۔" فرزانہ چونک کر بولی۔

"ضرور وہی ہیں۔" محمود نے کہا اور دروازہ کھولنے چلا گیا۔

"ہمارے ہاں آج سے فون کام کرنا شروع کر دے گا، یہ بات ضرور خوشی کی ہے۔ لیکن اس طرح آنٹی بیگم شیرازی کے ہاں ہمارا آنا جانا بہت کم ہو جائے گا اور مجھے رنج کا احساس ہو رہا ہے۔" فرزانہ نے کہا۔

"رنج کرنے کی ضرورت نہیں، تم ہر روز ان سے مل آیا کرنا۔

اور میں ان سے کہہ دوں گی کہ وہ بھی یہاں آتی رہیں۔" بیگم جمشید بولیں۔

دوسری طرف محمود دروازہ کھول چکا تھا اور وہاں اسے پوسٹ مین نظر آیا تھا، اس کے ہاتھ میں ایک تار تھا۔ اس نے جلدی سے تار وصول کیا اور کھول کر دیکھا۔

تار ان کے والد کی طرف سے بھیجا گیا تھا۔

○

بے آواز فائر

ایک بند دروازے والے کمرے میں چار آدمی کرسیوں پر بیٹھے تھے۔ ان میں سے تین باادب تھے اور ایک اکڑ کر ان سے کہہ رہا تھا۔

"تین بچے اس وقت تک تم نے پروگرام کے عین مطابق اغوا کیے ہیں اور ابھی یہ تعداد سات تک پہنچانی ہے، ساتویں دن جب تم ساتواں بچہ بھی لے آؤ گے تو تمہارا کام ختم ہو جائے گا اور پروفیسر تم سے اتنا خوش ہو گا، اتنی دولت تمہیں دے گا کہ تم سوچ بھی نہیں سکتے، بس یوں سمجھ لو کہ زندگی بھر بھی دونوں ہاتھوں سے لٹاتے رہو گے، تو بھی وہ دولت ختم نہیں ہو گی، آج رات وہ جو تھے بچے کا بڑی بے چینی سے انتظار کرے گا۔"

"لیکن جورڈی صاحب، اب ہم بچہ کیسے لا سکتے ہیں۔" ان میں سے ایک نے پریشان ہو کر کہا۔

"کیوں ٹام... اب کیا ہو گیا ہے۔" جورڈی نے اسے گھورا۔

"بچوں کے ماں باپ اپنے گھروں کے دروازے بند کر چکے ہیں، سکول بند ہو گئے ہیں، سارے قصبے میں ایک بچہ بھی کہیں گھومتا پھرتا نظر نہیں آتا، ان حالات میں ہم بچہ کس طرح اغوا کر سکتے ہیں۔"

"اوہ! یہ سوچنا تمہارا کام ہے میرا یا پروفیسر کا نہیں.... اس نے تمہارے ذمے جب یہ کام لگایا تھا تو تم نے سینہ پھلا کر کہا تھا، یہ کون سا مشکل کام ہے، پھر اب کیوں گھبرا گئے ہو جیسے بھی ہو سکتا ہے، بچے لاؤ، ورنہ اس دولت سے محروم ہو جاؤ گے جو تمہارے لیے پروفیسر تیار کر کے رکھ چکا ہے... نقد دولت.. اسے دیکھ کر تمہاری آنکھیں کھلی رہ جائیں گی۔"

"آپ ٹھیک کہتے ہیں جورڈی صاحب، یہ ہمارا کام ہے اور اسے ہم ہی کریں گے۔" دوسرا بولا۔

"سوچ لو روڈے، یہ کام اب بہت مشکل ہو گیا ہے۔" ٹام نے منہ بنایا۔

"بھئی آخر اب ایسی کیا قیامت آ گئی ہے۔" جورڈی نے جھلا کر کہا۔

"قیامت... ہاں آپ اسے قیامت بھی کہہ سکتے ہیں وہ واقعی اس قصبے میں آ چکی ہے۔" تیسرا مسکرایا۔

"کیا مطلب ہے تمہارا مسٹر جموگا۔" جورڈی چونکا۔

"ہمارا مطلب انسپکٹر جمشید سے ہے، وہ آج ہی ہوائی جہاز سے یہاں پہنچا ہے۔" ٹام نے کہا۔

"یہ کون ہے؟"

"محکمہ سراغرسانی کا دماغ۔۔۔ اس ملک کا بہترین سراغرساں ۔۔۔ بڑے بڑے مجرم جس سے کانپتے ہیں۔" جموگا نے سہمی ہوئی آواز میں کہا۔

"میں شاید اس کا نام سن چکا ہوں، لیکن آج تک دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا، کیا تم نے دیکھا ہے۔"

"دیکھا ہی تو نہیں اور یہی بات ہمارے لیے زیادہ پریشانی کی ہے۔"

"میں ان کے بارے میں پروفیسر سے بات کروں گا اور یہ کوشش بھی کروں گا کہ اس کا پتا معلوم ہو جائے تاکہ اس کی نگرانی شروع کر دی جائے اور تمہیں دکھا بھی دیا جائے لیکن بچہ تو تمہیں لانا ہی ہوگا۔"

"اگر آج نہ آئے اور کل ہم کوئی لے آئیں تو کیا اس میں کوئی حرج ہے۔" ٹام نے پوچھا۔

"ہاں! بہت بڑا حرج ہے ۔۔ سات دن تک بغیر ناغہ کے بچہ آنا چاہیے، پروفیسر کی ہدایت یہی ہے۔"

"آخر وہ ان بچوں کا کیا کر رہا ہے۔۔۔" جموگا کی آواز میں

کپکپی تھی۔

"یہ راز ہے اور اس کے سوا کسی کو نہیں معلوم۔" جورڈی نے جواب دیا۔

"آپ خود ہی سوچیے ۔۔۔ ان حالات میں ہم کیا کر سکتے ہیں۔" روڈے نے کہا۔

"بہت کچھ کر سکتے ہو، کسی گھر میں داخل ہو جاؤ اور رات کی تاریکی میں بچے اٹھا لاؤ۔" جورڈی نے ترکیب بتائی۔

"ہم بتا چکے ہیں جناب، لوگوں نے اپنے گھروں کے دروازے اندر سے بند کر لیے ہیں، کسی بچے کو گھر سے باہر نہیں نکلنے دیا جاتا۔ آخر ہم لوگوں کے گھروں میں کیسے گھسیں۔" جموگا نے کہا۔

"کیوں! کیا تم کبھی لوگوں کے گھروں میں نہیں گھسے۔" جورڈی مسکرایا۔

"نہیں ۔۔۔ ہم نے ہمیشہ بچے اغوا کیے ہیں اور وہ بھی ادھر اُدھر سے ۔۔۔ سنسان جگہوں سے جہاں کوئی بھولا بھٹکا بچہ آ جاتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ اگرچہ ہمیں دو تین مرتبہ گرفتار کیا گیا ہے، لیکن جرم ثابت نہیں ہو سکا۔"

"بے فکر رہو، ان دنوں اگر تم پکڑے گئے تو بھی تم پر کوئی جرم ثابت نہیں ہو سکے گا۔" جورڈی کی آواز سرد تھی۔

"کیا آپ ہمیں کوئی ترکیب نہیں بتا سکتے۔"

"ترکیب... اچھا میں سوچوں گا، لیکن کم از کم آج رات تو تم ایک بچہ پکڑ کر کہیں سے لے آؤ، چار ہو جائیں گے اور صرف تین کا مسئلہ رہ جائے گا۔"

"چوتھے بچے کی لاش ملتے ہی تو اس قصبے میں کہرام مچ جائے گا، طوفان آ جائے گا اور پھر کسی بچے کے اغوا کا کوئی امکان نہیں رہ جائے گا۔" جموگا کی آواز گہری سوچ میں ڈوبی ہوئی تھی۔

"کیا پروفیسر سے یہ غلطی نہیں ہوئی کہ اس نے مردہ بچے سڑکوں پر پھنکوا دیے، اگر وہ ان کی لاشوں کو غائب کرا دیتا تو شاید اتنا خوف و ہراس نہ پھیلتا۔" ٹام نے اعتراض کیا۔

"میں نہیں کہہ سکتا، اس سے غلطی ہوئی ہے یا نہیں۔ اس کی مرضی میں کوئی دخل نہیں دے سکتا، وہ مرضی کا مالک ہے۔" جورڈی کا لہجہ عجیب سا تھا۔

"اچھا تو پھر ہم چلتے ہیں اور اپنی پوری کوشش کریں گے۔" ٹام نے کہا اور تینوں اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔

"ٹھیک ہے۔" جورڈی کے منہ سے نکلا۔

ان کے جاتے ہی اس نے بیرونی دروازہ بند کر دیا، اور اس کمرے کی دائیں طرف کی دیوار میں کھلنے والے دروازے کو کھول کر ایک اور کمرے میں داخل ہوا۔ یہاں ایک ادھیڑ عمر آدمی آنکھوں پہ عینک لگائے آرام کرسی میں بیٹھا تھا۔ اس کے چہرے پہ

ایک شیطانی مسکراہٹ رینگ رہی تھی۔

"یہ لوگ پوچھ رہے تھے کہ میں نے بچے سڑکوں پہ کیوں پھنکوائے ہیں، انہیں کہیں غائب کیوں نہیں کرا دیا، دفن کیوں نہیں کرا دیا۔" اس نے کہا۔

"ہاں پروفیسر... وہ یہ اعتراض کر رہے تھے۔" جورڈی نے کہا۔

"کیا تمہارا بھی یہی خیال ہے۔" پروفیسر نے مسکرا کر پوچھا۔

"جی نہیں! میں جانتا ہوں، آپ نے جو کچھ بھی کیا ہے، کچھ سوچ کر ہی کیا ہے۔"

"بہت خوب! یہی وجہ ہے کہ میں تمہیں بہت پسند کرتا ہوں... ہاں... تو انسپکٹر جمشید بھی یہاں آ گیا ہے۔" اس نے کہا۔

"یہ تینوں بتا تو رہے تھے۔"

"اس شخص کا بھی کچھ بندوبست کرنا ضروری ہے، کہیں ہمارے راستے پہ نہ لگ جائے، کم بخت ہر جگہ ہی پہنچ جاتا ہے۔" اس نے منہ بنا کر کہا۔

"اس میں اس کا قصور نہیں پروفیسر... لوگ ہی اسے نہیں چھوڑتے۔" جورڈی مسکرایا۔

"خیر... اس کی ذمہ داری میں تم پہ چھوڑتا ہوں، وہ ہماری ٹوہ لینے میں کامیاب نہ ہو..." پروفیسر نے کہا۔

"بہت بہتر پروفیسر... میں اس کا دھیان رکھوں گا۔" جورڈی

بولا - یوں بھی میرا اس کا پرانا جھگڑا ہے ۔"

"اور ہاں ... وہ تینوں تم سے ترکیب پوچھ رہے تھے کہ بچے کیسے اغوا کریں، کہاں سے کریں ... تو اس کی ترکیب میں بتائے دیتا ہوں ... یہ کام اسٹیشن پر آسانی سے کیا جا سکتا ہے اسٹیشن پر کچھ مسافر اُترتے ہیں، ان کے ساتھ بچے بھی ہوتے ہیں اگر یہ تینوں ایک دو ٹیکسیاں لے کر چلے جائیں تو بچوں والے مسافروں کو ان میں بٹھا کر نہایت آسانی سے کامیاب ہو سکتے ہیں۔" پروفیسر کے لہجے میں بلا کی سنگ دلی تھی۔

"بہت خوب! ترکیب بہت زور دار ہے، آپ کا جواب نہیں آج وہ بچہ لے آئیں تو میں انہیں یہی ترکیب بتاؤں گا۔" جورڈی خوش ہو گیا۔

"بالکل! انہیں کل اسٹیشن پر ہی جانا چاہیے ۔" پروفیسر نے کہا "اور جب سات بچے پورے ہو جائیں گے تو انہیں انعام بھی تو دینا ہو گا، ایسا انعام جس کے بارے میں وہ خواب میں بھی نہیں سوچ سکتے۔" یہ کہتے وقت پروفیسر کی آنکھیں خوف ناک انداز میں چمکنے لگیں۔

دوسری صبح ایک سڑک سے چودھتے بچے کی لاش اٹھائی گئی۔

○

انسپکٹر جمشید محکمہ سراغ رسانی کی عمارت سے نکلے اور ایک ٹیکسی میں بیٹھ کر ہوٹل مون لائٹ کی طرف روانہ ہوئے، لیکن فوراً ہی انہیں یہ احساس ہو گیا کہ ان کا تعاقب ہو رہا ہے۔ انہوں نے اطمینان کا سانس لیا، کیونکہ وہ تو خود یہ چاہتے تھے، کہ مجرم ان کے پیچھے لگ جائیں تاکہ ان کا سراغ لگانے میں آسانی ہو جائے۔ یہ معاملہ ابھی تک ان کی سمجھ میں نہیں آیا تھا اگرچہ مردہ بچے کی کمر پر سوئی کا نشان دیکھ کر ان کا ذہن انہیں کچھ یاد دلانے کی کوشش تو کر رہا تھا، مگر انہیں وہ بات یاد نہیں آ رہی تھی۔ اس وقت اگر وہ گھر میں ہوتے تو فوراً اس الجھن کو حل کر لیتے۔ وہ لائبریری میں گھس جاتے اور کتابوں میں گم ہو جاتے، لیکن یہاں ان کی کتابیں کہاں تھیں۔ انہوں نے سر کو جھٹکا دے کر اس خیال سے پیچھا چھڑایا اور تعاقب کرنے والے کے بارے میں سوچنے لگے۔ آخر ان کی ٹیکسی مون لائٹ ہوٹل کے سامنے رُک گئی۔ انہوں نے بل ادا کیا اور ہوٹل میں داخل ہو گئے۔

یہاں ان کے لیے کمرہ پہلے ہی بک کروا دیا گیا تھا اور نمبر بھی انہیں معلوم تھا۔ انہوں نے چابی لی اور اوپر چڑھتے چلے گئے، ان کا کمرہ دوسری منزل پر تھا۔

اپنے کمرے میں داخل ہو کر انہوں نے سڑک کی طرف نکلنے والی کھڑکی کھول کر نیچے جھانکا۔ وہ جس ٹیکسی سے آئے تھے، جا چکی

تھی، البتہ اس ٹیکسی کی جگہ ایک اور ٹیکسی کھڑی تھی، کیونکہ یہ مڑا تڑا
تھی اور ان کے والی ٹوٹا . . . پھر انہوں نے اس میں سے ایک
نوجوان آدمی کو باہر نکل کر اندر داخل ہوتے دیکھا۔ وہ کھڑکی سے
ہٹ آئے اور غور کرنے لگے۔ انہوں نے اٹھ کر اپنے کمرے
کا دروازہ بند کر لیا، جلد ہی انہیں قدموں کی چاپ سنائی دی اور
دروازے پر دستک ہوئی۔

"کون ہے؟" انہوں نے مسکرا کر کہا۔

"بیرا سر!" باہر سے آواز آئی۔

"لیکن میں نے تمہیں بلانے کے لیے گھنٹی نہیں بجائی۔" انہوں نے
مسکرا کر کہا۔

"آپ کے لیے ایک پیغام ہے سر!"

"اچھا!" انہوں نے کہا اور دروازہ کھول کر اس کے ساتھ ہی
پیچھے ہٹتے چلے گئے۔ فوراً ہی گولی چلنے کا دھماکہ ہوا، اس کے
ساتھ ہی حملہ آور منہ کے بل فرش پر آ رہا، انسپکٹر جمشید نے اس
کے گریبان میں ہاتھ ڈال کر آگے کی طرف جھٹکا دیا تھا۔

"اس ہوٹل کا اصول یہ ہے کہ جب تک بیرے کو بلایا نہ جائے،
وہ نہیں آ سکتا اور کسی کا پیغام اگر آئے تو فون کے ذریعے دے
دیا جاتا ہے، میں پہلے بھی یہاں ٹھہر چکا ہوں۔" انہوں نے مسکراتے
ہوئے کہا۔

منہ کے بل گرنے کے بعد پستول اس کے ہاتھ سے نکل گیا
تھا جسے انسپکٹر جمشید نے آگے بڑھ کر اٹھا لیا، حملہ آور آہستہ
آہستہ اٹھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"اب پہلے تم اپنا نام بتاؤ گے، اس کے بعد یہ بتاؤ گے کہ
تمہیں میرے پیچھے کس نے لگایا ہے، ظاہر ہے تم اپنی مرضی سے
تو میرے پیچھے لگے نہیں ہو گے۔" وہ کہتے چلے گئے۔

"ہاں ... میں اپنی مرضی سے آپ کے پیچھے نہیں لگا، میرا
نام شادا ہے، مجھے کسی نے آپ کا تعاقب کرنے کی ہدایت کی
تھی اور اس کام کے لیے پانچ سو روپے روز دینے کا وعدہ کیا
تھا، میرے ذمے صرف یہ کام لگایا گیا تھا کہ میں آپ کا تعاقب
کرتا رہوں اور رپورٹ انہیں دیتا رہوں۔"

"تو پھر تم نے میرے کمرے کا دروازہ کیوں کھٹکھٹایا تھا؟"

"میں آپ کو یہی بتانے کے لیے آیا تھا کہ کسی آدمی نے میرے
ذمے یہ کام لگایا ہے، میں چاہتا تھا کہ آپ ہوشیار ہو جائیں۔"

"اوہو، تمہیں مجھ سے ہمدردی کیوں محسوس ہوئی، پیسے تو
تمہیں اس آدمی سے ملنے والے تھے۔" وہ مسکرائے۔

"میں نے سوچا، اس سے پیسے بھی لیتا رہوں گا اور آپ
کو بتا کر گرفتار ہونے سے بھی بچ جاؤں گا۔" اس نے بھی
مسکرا کر کہا۔

"بہت خوب! ترکیب تو تم نے بہت اچھی سوچی تھی، لیکن تم مجھے کیوں خبردار کرنا چاہتے تھے۔" انہوں نے پوچھا۔

"اس لیے کہ میں آپ کو اچھی طرح جانتا ہوں۔۔۔ میں یہ بھی جانتا تھا کہ آپ کو تعاقب کے بارے میں فوراً ہی پتا چل جائے گا۔"

"اگر بات یہ تھی تو پھر تم میرے کمرے میں پستول ہاتھ میں لے کر کیوں آئے۔"

"اس ڈر سے کہ کہیں آپ مجھ پر حملہ نہ کر دیں، کیونکہ میں نے خود کو بیرا بتایا تھا اور میرا لباس بیروں والا نہیں تھا، اس لیے میں ڈرا کہ کہیں آپ مجھ پر ہاتھ نہ چھوڑ بیٹھیں۔" اس نے جواب دیا۔

"بہت خوب! پستول ہاتھ میں لے کر اندر داخل ہونے کی وجہ تو تم نے بالکل ٹھیک بتا دی، لیکن آخر تم نے گولی کیوں چلائی۔"

"سوچے سمجھے بغیر ٹریگر دب گیا۔" اس نے کہا۔

"بھئی واہ۔۔۔ یہ مجھے آج ہی معلوم ہوا کہ ٹریگر سوچے سمجھے بغیر بھی چل جاتے ہیں۔ کیوں نہ میں بھی سوچے سمجھے بغیر ٹریگر دبا دوں اور وہ بھی نالی کا رُخ تمہاری طرف کر کے۔" انہوں نے سفاک لہجے میں کہا۔

"نہیں۔۔۔ نہیں۔۔۔ خدا کے لیے ایسا نہ کیجیے گا۔" وہ گڑگڑایا۔

"تو پھر سنو، میں تمہاری زبان سے صرف سچ سننا چاہتا ہوں۔ اس وقت تک تم نے بالکل سفید جھوٹ بولا ہے۔ اگر تم نے سچ نہ بولا تو میں گولی تمہارے پیٹ میں اتار دوں گا اور یہ تو تم کہہ ہی چکے ہو کہ مجھے اچھی طرح جانتے ہو۔"

"جی ہاں! میں جانتا ہوں، سچ یہ ہے کہ میرا نام سلطان ہے اور میں آپ کا تعاقب جو۔۔۔"

اچانک ایک بے آواز فائر ہوا، حملہ آور کے منہ سے ایک بھیانک چیخ نکلی اور وہ فرش پر تڑپنے لگا۔ انسپکٹر جمشید نے برآمدے میں جھانک لگائی لیکن برآمدہ سنسان تھا اور اس کا صاف مطلب یہ تھا کہ دوسری منزل کے کمروں میں سے کسی نے نکل کر اس حملہ آور پر فائر کیا تھا جو اپنا نام سلطان بتا رہا تھا، پھر فوراً ہی انہیں ایک خیال آیا، حملہ آور کسی کمرے سے نہیں نکلا تھا، نیچے سے ہی آیا تھا اور واپس نیچے چلا گیا تھا، کیونکہ زینہ تو اس کمرے کے بالکل ساتھ ہی تھا اور اس وقت تک تو شاید وہ ہوٹل سے بھی نکل گیا ہوگا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ سلطان اس آدمی کا نام بتاتے بتاتے رہ گیا تھا جس نے اسے ان کے قتل کے لیے بھیجا تھا، وہ واپس کمرے میں آئے اور ہوٹل کے منیجر کو فون کرنے لگے، تاکہ پولیس آ کر لاش کو اٹھا لے جائے، اس ہوٹل میں وہ ڈاکٹر احسان الحق کے نام سے ٹھہرے ہوئے تھے، فون کرنے کے چند سیکنڈ بعد ہوٹل کا منیجر بوکھلایا ہوا اوپر آیا اور ان کے

کمرے میں داخل ہوا، دوسرے ہی لمحے وہ تھر تھر کانپنے لگا۔

"یہ... یہ ... آپ نے کیا کیا۔ قتل کر دیا۔"

"اسے میں نے نہیں، کسی نامعلوم آدمی نے قتل کیا ہے۔ آپ پولیس اسٹیشن فون کر دیں۔"

"اچھ چھا۔" اس نے کہا اور وہیں سے فون کرنے لگا۔

فون کرنے کے بعد وہ سیدھا ہو گیا اور انہیں غور سے دیکھتے ہوئے بولا۔

"میرا نام شیروانی ہے، میں اس ہوٹل کا منیجر ہوں، آپ کو ہدایت کرتا ہوں کہ بھاگنے کی کوشش ہرگز نہ کریں، یہ فیصلہ کرنا پولیس کا کام ہے کہ قاتل کون ہے اور کون نہیں، سب انسپکٹر جان آپ کو گرفتار کیے بغیر نہیں رہے گا۔ میں اسے اچھی طرح جانتا ہوں۔"

"اچھا۔ اگر وہ مجھے گرفتار کیے بغیر نہیں رہے گا تو میں گرفتار ہو جاؤں گا، آپ فکر نہ کریں۔ میں بھاگنے والوں میں سے نہیں۔" وہ مسکرائے۔

اسی وقت انہوں نے زینے پر بھاری بوٹوں کے پڑنے کی آواز سنی، شاید تھانہ نزدیک ہی تھا۔ انسپکٹر جمشید سب انسپکٹر جان کو دیکھنے کے لیے تیار ہو گئے۔

کڑکڑاہٹ

محمود، فاروق اور فرزانہ گاڑی سے اترے۔ وہ صرف ایک سوٹ کیس لے کر آئے تھے۔ سفر میں زیادہ سامان ساتھ لینا انہیں پسند نہیں تھا۔ سوٹ کیس محمود نے ہاتھ میں لے لیا اور پلیٹ فارم سے ہوتے ہوئے سٹیشن کی عمارت سے باہر نکل آئے، فوراً ہی ایک ٹیکسی ان کی طرف بڑھی۔

"ٹیکسی پلیز۔" ڈرائیور نے کہا۔

"ہاں بھئی، جانا تو ہمیں ہے، کیا اس قصبے میں کوئی ہوٹل النور بھی ہے۔"

"بالکل ہے جناب... ہے کیوں نہیں۔" اس نے خوش ہو کر کہا۔

"بہت خوب... اب یہ بتاؤ، تمہارا میٹر کام کرتا ہے۔" فاروق مسکرایا۔

"یہ بھی کوئی پوچھنے والی بات ہے۔"

"ہاں! بات تو یہ سو فی صد پوچھنے والی ہے۔ بعض ٹیکسیوں کے میٹر بالکل کام نہیں کرتے اور منزل پر پہنچا کر وہ دُگنا تگنا

کرایہ وصول کرتے ہیں۔" محمود نے کہا۔

"میں ایسا آدمی نہیں ہوں جناب!" اس نے کہا۔

"یہ تو بہت اچھی بات ہے کہ تم ایسے آدمی نہیں ہو..... خدا کرے ویسے بھی نہ ہو۔" فاروق بھلا کہاں رکنے والا تھا۔

"جی کیا مطلب؟"

"اگر اس کی باتوں کا مطلب جاننے کے چکر میں پڑ گئے تو پھر تم ہمیں لے جا چکے۔" فرزانہ نے جھلا کر کہا۔

"کیوں! یہ کیا بات ہوئی۔" اس کے لہجے میں حیرت تھی۔

"اب ہم تمہیں کس کس بات کا مطلب سمجھائیں گے۔ بس جلدی سے ہمیں ہوٹل النور پہنچا دو۔"

یہ کہتے ہوئے وہ ٹیکسی میں بیٹھ گئے۔ ٹیکسی چل پڑی۔

"بھئی یہ ہوٹل النور کتنی دور ہے۔"

"جی... ہوگا تین ساڑھے تین میل دور۔" اس کے لہجے میں حیرت تھی۔

"دراصل ہمیں جلدی بہت ہے۔" محمود نے کہا۔

"تو میں رفتار بڑھائے دیتا ہوں۔" اس نے کہا۔

"بہت بہت شکریہ!" محمود نے کہا اور ٹیکسی کی رفتار زیادہ ہو گئی۔

"کیا آپ پہلی مرتبہ مراد آباد آئے ہیں۔" ڈرائیور نے پوچھا۔

"ہاں... کیوں... کیا یہاں پہلی مرتبہ آنا جرم ہے۔"

فاروق کی بات پر محمود اور فرزانہ کی ہنسی نکل گئی۔ ڈرائیور بیک ویو آئینے میں انہیں گھور گھور کر دیکھنے لگا، شاید یہ مسافر اس کی سمجھ میں نہیں آتے تھے۔

"بھائی... گھور کیوں رہے ہو، کیا ہم سے کوئی غلطی ہو گئی ہے۔"

"آپ مراد آباد کیوں آئے ہیں۔" اس نے سوال کیا۔

"یہ تم اتنے سوال کیوں کر رہے ہو، کیا مراد آباد کے ٹیکسی ڈرائیور ہر مسافر سے ایسے ہی سوال کرتے ہیں۔" محمود نے جھلا کر پوچھا۔

"مجھے کچھ گندی عادت پڑ گئی ہے... معاف کیجیے گا، اب میں آپ سے کوئی بات نہیں پوچھوں گا۔"

"کیا خیال ہے محمود... انہیں معاف کر دیں۔" فاروق بولا۔

"ہاں! اس میں پوچھنے والی کونسی بات ہے۔" محمود نے کہا۔

"مراد آباد کی کوئی خاص بات بتائیے۔" فرزانہ نے ڈرائیور کو مخاطب کیا۔

"خاص بات سے آپ کی کیا مراد۔" ڈرائیور نے پوچھا۔

"اس کا نام مراد آباد کیوں ہے؟" اس نے پوچھا۔

"شروع [illegible] کی گردن۔" فاروق نے مسمسی صورت

بنا کر کہا۔

"یہ تو مجھے بھی معلوم نہیں ۔ ۔ ۔ میں چند سال سے ہی یہاں ٹیکسی چلا رہا ہوں۔"

"بہت خوب ۔ ۔ ۔ ذرا ایک منٹ کے لیے ٹیکسی روکیے۔" اچانک محمود نے کہا۔

"کیوں ۔ کیا ہوا۔"

"مجھے پیشاب کرنا ہے، یہاں درخت ہیں ان کی اوٹ میں چلا جاؤں گا۔" اس نے کہا۔

"اوہ اچھا!" اس نے یہ کہتے ہوئے گاڑی روک دی۔ محمود نیچے اتر آیا اور بولا۔

"فاروق، فرزانہ تم دونوں بھی اتر آؤ۔"

"کیوں ۔ ۔ ۔ کیا تمہارا خیال یہ ہے کہ ہم تمہیں یہاں چھوڑ کر بھاگ جائیں گے۔" فرزانہ نے حیرت ظاہر کی۔

"نہیں ۔ ۔ ۔ بات در اصل یہ ہے کہ میں حساب میں بہت تیز ہوں۔" محمود مسکرایا۔

"حساب میں بہت تیز ہو، یہ تو ہمیں بہت پہلے سے معلوم ہے۔" فرزانہ نے حیران ہو کر پلکیں جھپکائیں۔

"لیکن اس وقت یاد کرانا بہت ضروری تھا۔" محمود سرد آواز میں بولا۔

"تو کیا یہ یاد کرانے کے لیے ٹیکسی سے اتارنا بھی ضروری ہے۔" فرزانہ نے کہا اور جلدی سے سوٹ کیس اٹھا کر نیچے اتر گئی، کیونکہ اس نے محمود کے لہجے کو بھانپ لیا تھا، یہی فاروق نے کیا، اب وہ تینوں سڑک پر کھڑے تھے۔ یہ علاقہ جنگل کا تھا۔ سڑک کے دونوں طرف دور دور تک درخت ہی درخت دکھائی دے رہے تھے۔

"کیا بات ہے جناب ۔ ۔ ۔ آپ تینوں کیوں اتر گئے، اور آپ پیشاب کرنے کیوں نہیں جاتے۔" ڈرائیور نے جھلا کر کہا۔

"میری امی جان نے منع کیا تھا کہ کسی درخت کے پیچھے بیٹھ کر پیشاب کبھی نہ کرنا، ورنہ جن بھوت چمٹ جاتے ہیں، اور ابھی میرا جن بھوت چمٹوانے کا بالکل کوئی پروگرام نہیں اور یہاں چاروں طرف درخت ہی درخت ہیں ۔ ۔ ۔ کروں تو کیا کروں!"

"لیکن یار ۔ ۔ ۔ وہ حساب کی کیا بات تھی۔" فاروق نے چونک کر کہا۔

"وہ بات بھی بہت ضروری ہے ۔ ۔ ۔ بات در اصل یہ ہے کہ ہمیں اسٹیشن سے چلے پندرہ منٹ ہو چکے ہیں، ٹیکسی اس وقت تک تیس پینتیس میل فی گھنٹہ کی رفتار سے چلتی رہی ہے اور ڈرائیور صاحب نے خود ہمیں بتایا تھا کہ ہوٹل النور تین ساڑھے تین میل ہے، اس حساب سے تو ہمیں آٹھ منٹ پہلے ہوٹل

النور پہنچ جانا چاہیے تھا، لیکن مجھے یہاں دور دور تک ہوٹل النور
تو کیا ہوٹل الناریکی بھی نظر نہیں آ رہا۔۔۔ اب پوچھو ڈرائیور صاحب
سے، یہ ہمیں کہاں لے جا رہا ہے اور تسلیم کرو میری اس بات
کو کہ میں حساب میں بہت تیز ہوں۔" محمود کہتا چلا گیا، بات فاروق
اور فرزانہ کی سمجھ میں فوراً ہی آ گئی۔

"بہت خوب۔۔۔ تو یہ بات ہے، لیکن سوال یہ ہے کہ پہلے
ہم ڈرائیور سے پوچھیں یا تمہاری قابلیت کے لوہے کو تسلیم کریں؟"
فاروق بولا۔

"اس وقت تو پہلے ڈرائیور صاحب سے پوچھنا بہتر رہے گا، میری
قابلیت کا لوہا تو بعد میں مانتے رہنا۔" محمود نے کہا۔

"بہت بہتر۔۔۔ پوچھ لیتے ہیں۔" یہ کہتے ہوئے فاروق ٹیکسی
ڈرائیور کی طرف مڑا۔ "کیوں بھئی ٹیکسی ڈرائیور صاحب۔۔۔ تم ہمیں
کون سے النور ہوٹل لیے جا رہے ہو، اور وہ ابھی کتنی دور اور
ہے۔"

"میرا وقت نہ ضائع کرو، ٹیکسی میں بیٹھ جاؤ، ابھی تین منٹ میں
ہوٹل کے سامنے پہنچا دوں گا۔"

"یار کیوں مذاق کرتے ہو، پندرہ منٹ میں تو پہنچا یا نہیں اور
تین منٹ میں پہنچا دو گے۔" فاروق ہنسا۔

"نہ یوں نہیں مانو گے، ٹھہرو۔" یہ کہہ کر اس نے اپنی طرف

کا دروازہ کھولا اور نیچے اتر کر ان کی طرف بڑھا۔

"ارے۔ ارے۔ کیا کرنے لگے ہو بھائی۔۔۔ کیا ہمیں زبردستی
گاڑی میں بٹھاؤ گے۔"

"ہاں! تمہیں النور پہنچا کر دم لوں گا۔"

"اس سے پہلے بھی دم لے لو تو ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔"
فاروق نے کہا۔

"ابھی بتاتا ہوں تمہیں۔"

"کیا بتاؤ گے، مراد آباد کے بارے میں۔" فاروق نے مذاق
اڑانے والے انداز میں کہا۔

اور وہ غصے کے عالم میں ان کی طرف بڑھا۔ سب سے پہلے اس
نے فرزانہ کا بازو پکڑ کر ٹیکسی کے اندر دھکیلنا چاہا، لیکن فرزانہ نے
ایک جھٹکا مار کر ہاتھ چھڑا لیا اور تلملا کر بولی۔

"پہلے انہیں بٹھاؤ، ان کا حق زیادہ ہے، مجھ سے بڑے
ہیں۔"

ڈرائیور نے حیران ہو کر اسے دیکھا اور پھر محمود کی طرف بڑھا۔

"چلو۔ بیٹھو ٹیکسی میں۔"

"اس میں چلنے کی کیا ضرورت ہے، پاس ہی تو کھڑے ہیں،
ویسے میں نے آج تک ایسا ڈرائیور نہیں دیکھا جو اس طرح پکڑ
پکڑ کر لوگوں کو گاڑی میں بٹھائے۔" فاروق نے کہا۔ دوسری

طرف محمود ایک دم جھکائی دے کر ڈرائیور سے دو تین گز دور چلا گیا۔

"یہ کیا کر رہے ہو، تم یہاں سے پیدل ہوٹل النور نہیں جا سکو گے۔" ڈرائیور چیخا۔

"تو تم کیوں فکر کرتے ہو، اس وقت تک تمہارا جتنا کرایہ بنا ہے، وہ وصول کر لو اور ہمیں معاف کر دو، ہم باز آئے، ایسی ٹیکسی اور ٹیکسی ڈرائیور سے ... بلکہ اگر یہ منظور نہ ہو تو ہوٹل النور تک جو کرایہ بننے کی امید ہو، اس کے مطابق پیسے وصول کر لو اور ہماری جان چھوڑ دو۔" محمود نے کہا۔

"نہیں ... میں تمہیں ہوٹل النور تک لے کر جاؤں گا۔"

"کیا تم پاگل ہو؟" فرزانہ نے پوچھا۔

"پاگل ٹیکسی نہیں چلایا کرتے۔" ڈرائیور بولا۔

"ہاں! یہ بھی ٹھیک ہے ... ایک مرتبہ ایک پاگل نے ٹیکسی چلانے کی کوشش کی تھی اور اپنے گھر کے اندر تک ٹیکسی چلاتا چلا گیا تھا۔ پھر گھر کو گرا کر ہی ٹیکسی اندر سے نکالنا پڑی تھی، اس دن سے پاگلوں کو ٹیکسی چلانے سے روک دیا گیا ہے، لہذا ثابت ہوا کہ تم پاگل نہیں ہو، فرزانہ اپنے الفاظ واپس لو۔" فاروق نے چہکتی ہوئی آواز میں کہا۔

"لاؤ بھئی ... میرے الفاظ واپس دے دو۔" فرزانہ نے ہاتھ

پھیلا کر کہا اور ڈرائیور نے اس موقع کو غنیمت جانتے ہوئے اس کا ہاتھ دبوچنے کی کوشش کی، فرزانہ ایک دم پیچھے ہٹ گئی اور گھبرا کر بولی۔

"یہ الفاظ واپس دینے کا کون سا طریقہ ہے۔"

"ٹیکسی ڈرائیوروں کے اپنے کچھ طریقے ہوتے ہیں، تم اتنا بھی نہیں جانتیں۔" فاروق نے منہ بنا کر کہا۔

اب ڈرائیور کی آنکھیں کھلیں، اس نے محسوس کیا، بچے ضرورت سے کچھ زیادہ تیز ہیں، لہذا اس نے پھنکار کر کہا۔

"تم یوں نہیں مانو گے۔"

"ذرا جلدی سے بتاؤ ... پھر کیسے مانیں گے، کیونکہ ہمارا وقت بہت قیمتی ہے۔" محمود بولا۔

"محمود غلط جملہ نہ بولا کرو۔" فرزانہ نے اسے ٹوکا۔

"میرے جملے میں کیا غلطی ہے اردو دان صاحبہ۔" محمود نے جھلا کر کہا۔

"یہ آپس میں لڑنے کا وقت نہیں ہے!" فاروق نے گویا انہیں یاد دلایا۔

"جملے میں غلطی یہ ہے کہ وقت تو سبھی کا قیمتی ہوتا ہے، یہ اور بات ہے کہ کچھ لوگ اس کی قدر نہیں کرتے۔" فرزانہ نے وضاحت کی۔ "اور فاروق ہم لڑ کب رہے ہیں، لڑ تو ہم

ڈرائیور صاحب سے بھی نہیں رہے۔ البتہ ان کی باتوں اور
حرکات کا جواب دے رہے ہیں۔"
اسی وقت انہوں نے چاقو کھلنے کی سنسنی خیز کڑکڑاہٹ سنی۔

○

جورڈی پروفیسر کے کمرے میں داخل ہوا، اس کے چہرے
پر گھبراہٹ کے آثار تھے۔ پروفیسر نے اس کے چہرے پر
ایک نظر ڈالی اور پھر پُرسکون آواز میں بولا۔
"کیا ہوا جورڈی؟"
"پروفیسر! میں نے آپ کی ہدایت پر عمل کرتے ہوئے کرائے
کے ایک قاتل کو انسپکٹر جمشید کے پیچھے لگا دیا تھا اور اسے
ہدایت کر دی تھی کہ وہ ہوٹل میں جا کر اس کے کمرے میں
داخل ہو کر بے آواز پستول سے فائر کر کے اس کا کام تمام
کر دے..."
"تو پھر... وہ کیا ایسا کرنے میں کامیاب ہو گیا ہے؟" پروفیسر
نے پوچھا۔
"جی نہیں... میں بھی احتیاطاً اس کے پیچھے تھا... میں نے
اسے انسپکٹر جمشید کے کمرے کے دروازے پر دستک دیتے دیکھا،
اور زینے پر دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑا ہو گیا، پھر ایک فائر

کی ہلکی سی آواز سنائی دی اور میں یہ سمجھا کہ اس نے کام کر
دیا ہے، لیکن جب میں نے برآمدے میں جا کر کمرے کے اندر
جھانکا تو سلطان گرا پڑا تھا اور انسپکٹر جمشید اس سے باتیں کر
رہا تھا اور اس سے پہلے کہ سلطان اسے میرا نام بتا دیتا،
میں نے جیب سے پستول نکال کر فائر کر دیا اور سیڑھیاں اُتر
کر ہال سے باہر نکل آیا۔" اس نے بتایا۔
"تو پھر اس میں پریشانی کی کیا بات ہے، اچھا ہوا تم نے
اسے ختم کر دیا۔" پروفیسر نے لاپروائی ، کہا۔
"ہو سکتا ہے، مرنے سے پہلے اس ـ سے میرا نام بتا دیا
ہو۔" انسپکٹر جمشید مجھ سے اچھی طرح واقف ہے، اس صورت میں
وہ مجھ تک پہنچ جائے گا۔" جورڈی نے کہا۔
"گھبرانے کی ضرورت نہیں... میں ابھی معلوم کیے لیتا ہوں
کہ انسپکٹر جمشید پر حملہ کرنے والا کچھ بتا کر مرا ہے یا نہیں۔" پروفیسر
نے کہا۔
"لیکن آپ کس طرح معلوم کریں گے، اس طرح آپ سامنے
نہیں آ جائیں گے؟" جورڈی نے گھبرا کر کہا۔
"میں اتنا بے وقوف نہیں!" یہ کہہ کر اس نے قریب رکھے
فون کا ریسیور اٹھایا اور کسی کے نمبر ڈائل کیے۔
"ہیلو کرمانی... ابھی تھوڑی دیر پہلے ہوٹل مون لائٹ میں

ایک قتل ہوا ہے، مجھے اس کے بارے میں تمام تفصیلات کی ضرورت ہے، میں تمہیں دو گھنٹے کی مہلت دیتا ہوں۔"

یہ کہہ کر اس نے ریسیور رکھ دیا اور جورڈی نے اسے حیرت بھری نظروں سے دیکھا، وہ تو آج تک صرف یہی سمجھتا رہا تھا کہ پروفیسر کے لیے وہ اور تین اس کے ساتھی ہی کام کرتے ہیں، لیکن آج معلوم ہوا، اس کے ہاتھ بہت لمبے تھے۔

"تم سناؤ... کیا وہ تینوں آج ٹیکسی ڈرائیوروں کے روپ میں اسٹیشن گئے ہیں یا نہیں۔"

"نہ جانے کا کیا کام... آپ حکم دیں اور وہ عمل نہ کریں۔" جورڈی بولا۔

"کاش وہ ایک دم ہی تین بچے لے آئیں۔" پروفیسر بولا۔

"پروفیسر۔ کم از کم مجھے تو بتا دیں، آخر آپ ان بچوں کے ساتھ کر کیا رہے ہیں اور یہ سارا چکر کس لیے ہے۔"

"پہلے سات کی تعداد پوری ہو لینے دو۔ پھر بتاؤں گا اور جب بتاؤں گا تو اچھل ہی پڑو گے۔" پروفیسر نے مسکرا کر کہا۔

"کم از کم اتنا تو بتا دیں کہ یہ بچے مر کس طرح جاتے ہیں۔"

"اگر یہ بتا دوں گا تو پھر بتانے سے رہ کیا جائے گا۔" پروفیسر نے پر اسرار انداز میں کہا۔

ٹھیک دو گھنٹے بعد فون کی گھنٹی بجی اور اس کے ساتھ ہی دروازے پر دستک ہوئی۔ دستک کی آواز سن کر جورڈی زور سے چونکا اور درمیانی دروازہ بند کر کے بیرونی دروازے کی طرف بڑھا۔

اس کے چہرے پر شدید حیرت تھی۔

O

نرغے میں

سب انسپکٹر جان چار کانسٹیبلوں کے ساتھ کمرے میں داخل ہوا۔ سب سے پہلے اس نے انسپکٹر جمشید کو گھور کر دیکھا، پھر لاش پر جھک گیا، چند منٹ تک لاش اور کمرے کا جائزہ لینے کے بعد وہ سیدھا ہو کر کھڑا ہو گیا اور بولا۔

"کسی چیز کو چھیڑا تو نہیں گیا، ہلایا جلایا تو نہیں گیا۔"

انسپکٹر جمشید اور ہوٹل کے منیجر شیروانی میں سے کوئی بھی کچھ نہ بولا، اس نے جھلا کر کہا۔

"آپ لوگ بولتے کیوں نہیں، کیا سانپ سونگھ گیا ہے۔"

"در اصل میں یہ سمجھا تھا کہ آپ نے یہ سوال ان سے کیا ہے۔" انسپکٹر جمشید نے شیروانی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"اور میں یہ سمجھا تھا کہ... اس سوال کا تعلق ان سے ہے، اس لیے خاموش رہا۔" شیروانی تلملا کر بولا۔

"اوہو... کیا مصیبت ہے، اچھا پہلے آپ بتایئے" اس نے جھنجلا کر انسپکٹر جمشید سے کہا۔

"جی نہیں! جب سے یہ قتل ہوا ہے، میں نے کسی چیز کو ہاتھ تک نہیں لگایا۔" انہوں نے جواب دیا۔

"اب یہ بتایئے، آپ نے اس شخص کو قتل کیوں کیا ہے؟"

"میں نے نہیں کیا۔" انہوں نے پُر سکون آواز میں کہا۔

"تو پھر کس نے کیا۔" سب انسپکٹر جان نے آنکھیں نکالیں۔

"کسی نامعلوم آدمی نے برآمدے سے فائر کیا تھا، میں بھاگ کر برآمدے میں گیا تو وہ فرار ہو چکا تھا۔"

"اب شروع سے بتایئے۔ واقعہ کس طرح پیش آیا۔"

"میں کل ہی اس ہوٹل میں آ کر ٹھہرا ہوں، آج میں ایک دفتر سے واپس لوٹا، ابھی اپنے کمرے میں آ کر بیٹھا ہی تھا کہ دروازے پر دستک ہوئی، میں نے پوچھا، کون ہے تو باہر سے جواب ملا، بیرا۔ میں نے دروازہ کھولا تو بیرے کی بجائے یہ کھڑا تھا اور اس کے ہاتھ میں پستول تھا، اس نے فوراً ہی مجھ پر فائر کیا، پستول پر سائیلنسر فٹ تھا، اس لیے آواز نہیں گونجی، میں بال بال بچ گیا اور اس کے گریبان میں ہاتھ ڈال کر آگے کی طرف جھٹکا دیا، یہ اوندھے منہ گرا اور پستول اس کے ہاتھ سے نکل گیا۔ میں نے پستول اپنے قبضے میں لے لیا، تاکہ یہ دوبارہ فائر نہ کر دے، ابھی اس سے پوچھ گچھ کر ہی رہا تھا کہ یہ کون ہے اور مجھے کیوں مارنا چاہتا تھا اور یہ بتا ہی رہا تھا

کہ اچانک باہر سے فائر کیا گیا اور گولی اس کے لگ گئی، میں نے برآمدے میں چھلانگ لگائی، لیکن قاتل جا چکا تھا، اس کے بعد میں نے مسٹر شیروانی کو فون کیا، اس طرح یہ اور آپ یہاں پہنچ گئے۔" یہ کہہ کر انسپکٹر جمشید خاموش ہو گئے۔

"بہت خوب تو یہ ہے آپ کی کہانی... مگر میں ایسی کہانیوں پر اعتبار نہیں کیا کرتا، میں ابھی چند منٹ کے اندر اندر یہ بات ثابت کر دوں گا کہ قتل دراصل آپ نے کیا ہے۔ اچھا سب سے پہلے تو یہ بتایئے۔ آپ کا نام کیا ہے۔"

"میرا نام ڈاکٹر احسان الحق ہے۔ دارالحکومت سے یہاں آیا ہوں" انہوں نے جواب دیا۔

"جتنی بات پوچھوں، صرف اس کا جواب دیں، آپ کس چیز کے ڈاکٹر ہیں، کیا لوگوں کا علاج کرتے ہیں۔"

"جی نہیں۔ ریاضی کا ڈاکٹر ہوں۔" انہوں نے جواب دیا۔

"اس شخص نے مرنے سے پہلے آپ کو کیا بتایا تھا، یہ آپ کو کیوں ہلاک کرنا چاہتا تھا، آپ سے اسے کیا دشمنی تھی۔"

"اسے کسی اور نے میرے قتل پر لگایا تھا۔" انہوں نے کہا۔

"کیا یہ بات اس نے خود بتائی تھی؟" سب انسپکٹر نے پوچھا۔

"جی ہاں! جب میں نے پستول اس کی طرف تان لیا تو اس نے بتایا تھا۔" انسپکٹر جمشید بولے، پھر کہا۔

"جب یہ نام بتانے جا رہا تھا، عین اسی وقت فائر ہوا تھا، اس نے صرف اتنا کہا تھا، میرا نام سلطان ہے اور میں آپ کا تعاقب جو..."

"کیا!!!" سب انسپکٹر کی آنکھیں مارے حیرت کے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

خود انسپکٹر جمشید بھی حیرت زدہ رہ گئے۔ کیونکہ ان کی سمجھ میں یہ بات نہیں آئی تھی کہ سب انسپکٹر کو کس بات پر حیرت ہوئی ہے۔ ان کے جملے میں تو کوئی ایسی بات نہیں تھی۔ انہوں نے دیکھا، سب انسپکٹر لاش کی طرف خوفزدہ نظروں سے دیکھ رہا تھا جیسے وہ مردہ ہونے کے باوجود ابھی اٹھ کر اس پر حملہ کر دے گی، پھر اس نے تقریباً چلا کر کہا۔

"نہیں۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔"

○

"ارے باپ رے... اس نے تو چاقو نکال لیا۔" فاروق نے تھر تھر کانپتے ہوئے کہا۔

"یار ٹیکسی ڈرائیور صاحب... آخر آپ چاہتے کیا ہیں؟" محمود نے جھلا کر کہا۔

"میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ تم تینوں خاموشی سے ٹیکسی میں

بیٹھ جاؤ۔" اس نے پھنکار سی ماری۔

"آخر کیوں ... کیا ہمیں غلط راستے سے ہوٹل النور پہنچائے بغیر تمہارا کھانا ہضم نہیں ہوگا۔" فرزانہ نے پیر پٹخے۔

"میں تمہیں ہوٹل النور نہیں ایک اور جگہ لے جانا چاہتا ہوں۔" اس نے سرد لہجے میں کہا۔

"اسے تو یہ کہو نا... اس کا مطلب ہے، تم ہمیں ہوٹل النور سے بھی کسی اچھے ہوٹل میں لے جانا چاہتے ہو، اگر یہ بات تھی تو پہلے کیوں نہیں بتایا تھا، ہم تمہارا شکریہ ادا کرتے اور تمہیں بتاتے کہ دراصل ہم مجبور ہیں، ہوٹل النور کے علاوہ اور کسی ہوٹل میں نہیں ٹھہر سکتے، کیونکہ اس میں ہمارے لیے کمرے بک ہو چکے ہیں اور ہمارے ابا جان کی ہدایت ہے کہ ہم اسی ہوٹل میں ٹھہریں گے۔" فاروق جلدی جلدی کہتا چلا گیا۔

"بکو مت... اگر تم تینوں دس سیکنڈ کے اندر اندر ٹیکسی میں نہ بیٹھے تو میں یہ چاقو تمہارے جسموں میں اتار دوں گا۔" وہ غرایا۔

"مر گئے... کیا مراد آباد کے ٹیکسی ڈرائیور اتنے ہی خونخوار ہوتے ہیں۔" فاروق نے بوکھلا کر کہا۔

"یار فاروق باتیں نہ کرو، گھڑی پر نظر ڈالو، کہیں دس سیکنڈ پورے نہ ہو جائیں۔" محمود نے جھلا کر کہا، انداز بالکل مصنوعی تھا۔

"تو کیا تمہارا خیال یہ ہے کہ اگر میں گھڑی پر نظر ڈالے رہا تو

دس سیکنڈ کبھی پورے نہیں ہوں گے، اگر یہ بات ہے تو یہ لو، میں اب کبھی گھڑی پر سے نظر نہیں اٹھاؤں گا...۔" یہ کہہ کر اس نے گھڑی والا ہاتھ تیزی سے گھما کر اوپر اٹھایا۔ ٹھک کی ایک آواز آئی۔ انہوں نے دیکھا، فاروق کا ہاتھ ٹیکسی ڈرائیور کی ٹھوڑی کے عین نیچے زور سے لگا تھا۔

"ارے یہ کیا ہوا، میں تو گھڑی دیکھنے کی تیاری کر رہا تھا... درمیان میں ڈرائیور صاحب کی ٹھوڑی کہاں سے آ کودی ہے۔" اس نے بوکھلا کر کہا۔

"فاروق! کبھی تو دیکھ کر کام کیا کرو۔ تمہیں ٹھوڑی اور گھڑی میں فرق بھی محسوس نہیں ہوتا۔" فرزانہ نے منہ بنایا۔

دوسری طرف ڈرائیور کا حال پتلا تھا، وہ چاقو کو بھول کر اپنی ٹھوڑی کو پکڑے بیٹھا تھا، اسے یوں لگا تھا جیسے اس کی ٹھوڑی سے کوئی ہاتھ نہیں ہتھوڑا آ کر ٹکرایا ہے۔ چاقو اس نے اپنے پاس سڑک پر رکھ دیا تھا۔ موقع اچھا تھا، محمود نے اس کی کمر پر ایک لات اس زور سے رسید کی کہ وہ لڑھکنیاں کھا گیا۔ عین اسی وقت اس سمت سے ایک ٹیکسی آتی نظر آئی، جس طرف سے ڈرائیور انہیں لے کر آیا تھا اور آ کر ان کے قریب رک گئی، لات کھانے کے بعد ٹیکسی ڈرائیور اٹھنے کی کوشش کر رہا تھا کہ دوسرے ٹیکسی ڈرائیور کی آواز گونجی۔

"یہ یہاں کیا ہو رہا ہے۔"

"دنگا ہو رہا ہے۔" محمود نے کہا۔

"بلکہ فساد بھی ہو رہا ہے۔" فاروق بولا، پھر محمود سے بولا۔ "یار محمود، یہ دنگا کہیں دنگل کا چھوٹا بھائی تو نہیں۔"

"مجھے تو بڑا معلوم ہوتا ہے۔" فرزانہ بول اٹھی۔

"میں نے تم سے کب پوچھا تھا۔" فاروق جھلا کر اس کی طرف مڑا۔ مڑتے وقت اس کے ہاتھ اور پیر اس تیزی سے گھومے اور ڈرائیور سے ٹکرائے کہ وہ اٹھتے اٹھتے پھر گر پڑا۔

"یہ کیا کر رہے ہو، دیکھ کر گھومو پھیرو۔" محمود نے ٹوکا۔

"میں پھر کب رہا ہوں، صرف گھوما تھا۔"

"اچھے بچے گھومتے وقت آگے پیچھے بھی دیکھ لیا کرتے ہیں۔"

"میں کہتا ہوں، یہ کیا ہو رہا ہے؟" دوسری ٹیکسی کا ڈرائیور اس مرتبہ بلند آواز میں بولا۔

"بتا تو چکے ہیں، اگر ہماری بات سمجھ میں نہیں آئی تو نیچے آ جائیے، اچھی طرح سمجھا دیتے ہیں۔"

اس نے دروازہ کھولا اور ان کے قریب آ گیا۔ سڑک پر پڑا چاقو دیکھ کر وہ چونکا تھا۔ پھر اس کی نظریں پہلے ڈرائیور پر جم گئیں۔

"ہاں! اب بتاؤ، معاملہ کیا ہے۔"

"معاملہ یہ ہے جناب کہ ہم گاڑی سے اترے۔ تو انہوں نے شہر چلنے کے لیے اپنی خدمات پیش کیں، ہم ان کی ٹیکسی میں بیٹھ گئے..... ہمیں ہوٹل النور جانا تھا..... اب آپ ہی بتائیے..... کیا یہ ہوٹل النور ہے..... یا اس سڑک پر آگے جا کر کہیں ہوٹل النور آتا ہے... جہاں تک ہمارا خیال ہے، ہوٹل النور تو بہت پیچھے رہ گیا ہے۔"

"ہاں! آپ ٹھیک کہتے ہیں شاید اس کا ارادہ آپ کو لوٹنے کا تھا، آپ میری ٹیکسی میں بیٹھ جائیے، میں آپ کو ابھی ہوٹل النور پہنچائے دیتا ہوں۔"

"بہت بہت شکریہ... آپ شریف ڈرائیور نظر آتے ہیں، آؤ بھئی ان کی ٹیکسی میں چلیں۔" محمود نے کہا۔

"اور ان کا کرایہ تو ادا کر دو۔"

"کیسا کرایہ..... یہ تو ہمیں لوٹنے کی نیت سے ان جگہ پر لے آئے..... ہم انہیں پھوٹی کوڑی بھی نہیں دیں گے۔" فرزانہ بولی۔

"بالکل ٹھیک... میں اس کا بندوبست بعد میں کروں گا، آپ لوگ میرے ساتھ چلیے۔" یہ کہتے ہوئے اس نے جھک کر پہلے ڈرائیور کا چاقو اٹھایا اور بند کرتے ہوئے جیب میں ڈال لیا۔

"یہ میں نے اس لیے اُٹھا لیا ہے کہ کہیں یہ پیچھے سے ہم پر حملہ نہ کر دے۔"

"بھئی واہ ... آپ کتنے عقل مند ڈرائیور ہیں۔" محمود نے خوش ہو کر کہا۔

"ابھی ابھی تو تم انہیں شریف ڈرائیور کہہ چکے ہو۔" فاروق کے لہجے میں حیرت تھی۔

"تو کیا کوئی آدمی ایک ہی وقت میں شریف اور عقل مند نہیں ہو سکتا۔" محمود نے بُرا مان کر کہا۔

"میرا خیال ہے .... ضرور ہو سکتا ہے ..... مگر ہم ان کے ساتھ بھی نہیں جائیں گے۔" فرزانہ نے شوخ لہجے میں کہا۔

"کیوں ؛ ان کے ساتھ کیوں نہیں جائیں گے۔" محمود نے حیران ہو کر پوچھا۔

"اور ان کے ساتھ نہیں جائیں گے تو کیا پیدل جائیں گے۔" فاروق بولا۔

"مجبوری ہے ... ہم ان کے ساتھ بھی نہیں جا سکتے۔" فرزانہ کے لہجے میں بے چارگی تھی۔

"آخر کیوں ۔ بات بھی تو بتایا کرو۔"

"اس لیے کہ جب یہ چاقو اٹھانے کے لیے جھکے تھے تو انہوں نے پہلے ڈرائیور کو آنکھ ماری تھی۔"

"کیا !!!"

محمود اور فاروق چلا اٹھے۔

○

بھاگو

"آپ کس بات پر حیران ہیں۔" انسپکٹر جمشید نے سب انسپکٹر جان سے پوچھا۔

"کیا آپ سچ کہہ رہے ہیں کہ اس نے اپنا نام سلطان بتایا تھا۔"

"ہاں، لیکن بات کیا ہے۔ آخر سلطان نام میں ایسی کیا بات ہے۔" انہوں نے پوچھا۔

"اگر یہ سلطان ہے تو پھر آپ نے کہانی میں کچھ جھوٹ بھی شامل کر دیا ہے۔" اس نے کہا۔

"کیا مطلب ... اس کے سلطان ہونے کا میرے جھوٹا ہونے سے کیا تعلق ہے؟" انہوں نے پوچھا۔

"مطلب یہ کہ یہ اس قصبے کا بہت مشہور بدمعاش ہے، اس سے تو اچھے اچھے بدمعاش کانپتے ہیں اور آپ نے بتایا ہے کہ اس کے گریبان میں جھٹکا دے کر اسے اوندھے منہ گرا دیا تھا۔"

"ہاں! یہ بالکل سچ ہے، کیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ میں کمزور ہوں؟" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"لیکن یہ تو بلا کا لڑاکا ہے۔" اس نے کہا۔

"ہو گا مجھے اس سے کیا۔"

"اب کم از کم میں آپ کو گرفتار نہیں کر سکتا، کیونکہ اب مجھے اس میں کوئی شک نہیں رہا کہ یہ ضرور آپ پر حملہ کرنے آیا تھا، لیکن سوال تو یہ ہے کہ اسے کس نے ختم کیا ہے۔"

"اس نے جس نے اسے بھیجا تھا۔" انہوں نے کہا۔ "جب اس نے اسے گرتے دیکھا تو وہ سمجھ گیا کہ اب اس کا راز کھل جائے گا اور میں آپ کو یہ بھی بتا دوں کہ اگر یہ شخص سلطان نامی بدمعاش نہ ہوتا تو بھی آپ مجھے گرفتار نہ کر سکتے تھے۔"

"کیوں ... کیسے۔؟" اس نے حیران ہو کر پوچھا۔

"اس لیے کہ اس پر جس پستول سے گولی چلائی گئی ہے، وہ یہ پستول نہیں ہے جو میرے ہاتھ میں تھا اور میں نے آپ کے حوالے کیا ہے، اس پستول سے صرف ایک گولی چلائی گئی ہے اور وہ دیوار پر لگی تھی، دیوار کا پلستر اکھڑا ہوا آپ دیکھ ہی رہے ہیں اور یہیں کہیں گولی بھی مل جائے گی، دوسرے یہ کہ میرا پستول میرے پاس ہے اور اس سے ایک گولی بھی نہیں چلائی گئی۔" یہ کہہ کر انہوں نے اپنا پستول نکال کر اسے دکھایا۔

"اوہو... تو آپ کے پاس بھی پستول ہے۔" سب انسپکٹر جان چونکا۔ "کیا آپ کے پاس اس کا لائسنس ہے۔"

"جی ہاں! میں بغیر لائسنس کے پستول اپنے پاس رکھنے کا عادی نہیں۔"

"خیر... اب مجھے صرف اتنا بتا دیں کہ کوئی شخص آپ کو ہلاک کیوں کرنا چاہتا ہے، آپ کی دشمنی کس سے ہے۔" اس نے پوچھا۔

"کوئی ایک شخص ہو تو بتاؤں بھی، میرے تو ہزاروں دشمن ہیں۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"کیا مطلب، ہزاروں دشمن، یہ کیسے ہو سکتا ہے" سب انسپکٹر جان نے حیرت بھرے لہجے میں کہا۔

"کیا آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ ہزاروں دشمن ہونے کے باوجود میں زندہ کیسے ہوں؟" انسپکٹر جمشید سوالیہ لہجے میں بولے۔

"کسی شخص کے ہزاروں دشمن ہی کیا کم عجیب بات ہے، کیا آپ کوئی سیاسی لیڈر ہیں، کیونکہ ہزاروں دشمن تو سیاسی لیڈروں یا ملک پر حکومت کرنے والوں کے ہوتے ہیں۔"

"نہیں! سیاسی لیڈر نہیں ہوں، نہ حکومتی ادارے سے میرا کوئی تعلق ہے، اس کے باوجود چونکہ میں اپنے ملک کا سچا ہمدرد ہوں اور ملک کے لیے کام کرتا ہوں، اس لیے ملک کے دشمن

میرے بھی دشمن ہیں۔" انہوں نے مسکرا کر جواب دیا۔

"آپ بات کو گھما پھرا کر بیان کرتے ہیں، خیر میں ماہرین کو بلا کر یہاں کی تصاویر اور انگلیوں کے نشانات وغیرہ لوں گا۔ آپ نیچے ہال میں چلے جائیے، لیکن آپ ہوٹل سے باہر نہیں جا سکیں گے۔"

"کیوں! کیا میں نے کوئی جرم کیا ہے۔" انہوں نے پوچھا۔

"ابھی میری تفتیش پوری نہیں ہوئی، جب تک میرا اطمینان نہیں ہو جاتا، اس وقت تک آپ ہوٹل سے باہر نہیں جائیں گے۔"

"اچھا! لیکن اگر آپ اسے بھیجنے والے کو گرفتار کرانا چاہتے ہیں تو جرائم پیشہ لوگوں کی فہرست میں ایسے نام ضرور دیکھیں جو صرف ج سے شروع ہوتے ہیں۔"

"کیا مطلب، آپ یہ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ اس کا نام ج سے شروع ہوتا ہے۔" سب انسپکٹر جان چونکا۔

"بس کہہ سکتا ہوں، بلکہ میں تو یہ بھی کہہ سکتا ہوں کہ نام 'جو' سے شروع ہوتا ہے کیونکہ اس کے آخری الفاظ کا مطلب یہی نکلتا ہے۔"

"اوہ!!"

سب انسپکٹر جان کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ پھر وہ

تیزی سے فون کی طرف جھپٹا، دوسرے ہی لمحے وہ کسی کے نمبر ڈائل کر رہا تھا، جلد ہی دوسری طرف سے کسی نے کہا۔

"ہیلو... ریکارڈ کیپر بول رہا ہوں۔"

"امجد، میں جان ہوں۔ ہماری فہرست میں جتنے بھی جرائم پیشہ لوگوں کے نام ہیں، ان میں سے 'جو' سے شروع ہونے والے نام ایک کاغذ پر لکھ کر مجھے بھیج دو، میں اس وقت ہوٹل مون لائٹ میں موجود ہوں۔ اس کام میں دیر نہ لگانا، ایک قاتل کی گرفتاری کا مسئلہ ہے۔"

"بہت بہتر جناب۔" امجد نے کہا اور جان نے ریسیور رکھ دیا۔

"اگر آپ چاہیں تو میں بغیر کسی فہرست کی مدد کے بھی یہ بتا سکتا ہوں کہ اس کا پورا نام کیا ہے جس نے مجھ پر حملہ کرایا تھا۔"

"آپ کس طرح بتا سکتے ہیں؟" اس کے لہجے میں بلا کی حیرت تھی۔

"بس بتا سکتا ہوں۔"

"اچھا خیر... بتایئے، اس کا نام کیا ہے۔"

"جوہر ڈی۔" انسپکٹر جمشید نے شریر لہجے میں مسکرا کر کہا۔

"کیا!!!" اس مرتبہ سب انسپکٹر جان بڑی زور سے اچھلا تھا، لیکن اسی وقت فون کی گھنٹی بجی، کاؤنٹر والے نے بتایا،

سب انسپکٹر کا فون ہے۔"

"ہیلو! میں جان بول رہا ہوں۔"

"میں فہرست دیکھ چکا ہوں سر... لسٹ بنا کر بھیجنے کی ضرورت اس لیے نہیں سمجھی کہ ہماری فہرست میں 'جو' سے شروع ہونے والا صرف ایک نام ہے۔"

"اور وہ نام کیا ہے۔"

"جوہر ڈی۔" دوسری طرف سے امجد نے کہا۔

ریسیور سب انسپکٹر جان کے ہاتھ سے چھوٹ کر نیچے لٹکنے لگا، اس کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں، اب وہ انسپکٹر جمشید کو اس طرح آنکھیں پھاڑے دیکھ رہا تھا جیسے وہ اس دنیا کی نہیں کسی اور دنیا کی مخلوق ہوں۔

○

"کیا یہ سچ ہے فرزانہ... کہ اس نے پہلے ڈرائیور کو آنکھ ماری تھی۔" محمود نے اپنی حیرت پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

"مجھے جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت ہے۔" فرزانہ نے منہ بنایا۔

"چلو تو کیا ہوا، اس نے آنکھ ہی ماری تھی، کوئی بم تو نہیں مارا تھا، بھالا، بندوق یا پستول تو نہیں مارا تھا۔" فاروق نے شوخ لہجے میں کہا۔

"تو ٹھیک ہے ... تم چلے جاؤ اس کے ساتھ ... کم از کم ہم اور فرزانہ تو نہیں جائیں گے۔" محمود نے جھلا کر کہا۔

"اچھا بھائی ..... جاؤ تم ..... کوئی اور سواری تلاش کرو، ان تلوں میں تیل نہیں۔" فاروق مسکرایا۔

"مجبوری ہے اس جنگل میں مجھے سواری کہاں ملے گی۔" اس نے شانے اُچکائے۔

"تو پھر اس طرف کرنے کیا آئے تھے؟" فاروق نے بھنا کر کہا۔

"تمہیں لینے ... تم نے اسے گرا لیا ہے، مجھے نہیں گرا سکو گے۔" یہ جملہ کہتے وقت اس کا لہجہ خوفناک ہو گیا۔ آنکھوں میں غصہ جھلکنے لگا۔

"کیا تم کوئی نامی گرامی پہلوان ہو؟" فاروق نے ڈرتے ڈرتے لہجے میں کہا۔

"ابھی پتا چل جاتا ہے۔" یہ کہہ کر وہ خوفناک انداز میں ان کی طرف جھپٹا۔

"ارے ارے — یہ کیا کر رہے ہو ... لڑنا بھڑنا بُری بات ہے ... خدا کا خوف کرو ... قیامت کے دن کس منہ سے خدا کے سامنے جاؤ گے کہ تم تین بچوں سے

لڑ رہے ہو ... ہمارے ابا جان سے لڑ کر دکھاؤ تو جانیں ... انہوں نے بڑے بڑے مشہور پہلوانوں کو شکست دے رکھی ہے۔" فاروق بوکھلائے ہوئے لہجے میں کہتا چلا گیا۔

عین اسی وقت ایک تیسری ٹیکسی وہاں آ کر رکی۔ اس میں سے ڈرائیور اترتے ہوئے بولا۔

"تم ابھی تک تین بچوں پر قابو نہیں پا سکے؟" اس کے لہجے میں غصہ تھا، تلملاہٹ تھی۔

"ارے باپ رے! معلوم ہوتا ہے، مراد آباد کے تمام ٹیکسی ڈرائیور بچوں کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔" محمود، فاروق بھاگو ... اب یہ تین ہو گئے ہیں۔" فرزانہ نے کہا اور دوڑ لگا دی۔ اس کے ہاتھ میں سوٹ کیس بھی تھا۔

"معاف کرنا دوستو ... ہماری بہن ذرا بزدل واقع ہوئی ہے، لیکن تم فکر نہ کرو، ہم شام کو پھر ہوٹل النور سے سیر کرنے کے لیے نکلیں گے، تم ہمیں پکڑنے کی کوشش اس وقت کر لینا، اس وقت تو ہمیں اپنی بہن کا ساتھ دینا پڑے گا۔"

یہ کہا اور وہ دونوں بھی فرزانہ کے پیچھے دوڑے۔ ڈرائیوروں نے جو یہ دیکھا تو خود بھی ان کے پیچھے دوڑنے لگے ان تینوں کی رفتار حیرت انگیز حد تک تیز تھی، دیکھتے ہی دیکھتے وہ بہت دور نکل گئے، پھر رُکے اور ان کی طرف مڑ کر مذاق اڑانے والے

انداز میں دیکھنے لگے، پھر فاروق نے بلند آواز میں کہا۔

"یار تم کتنے عقل مند ہو، ٹیکسیاں تمہارے پاس ہیں اور پیدل ہمارے پیچھے دوڑ رہے ہو، ہمیں پکڑنا ہے تو ان میں بیٹھ کر... ارے لاحول ولاقوۃ... بھلا میں نے انہیں یہ ترکیب کیوں بتا دی، بھاگو... اب یہ ہمیں ٹیکسیوں کے ذریعے پکڑنے کی کوشش کریں گے۔"

اس کے ساتھ ہی وہ تینوں ایک ساتھ مڑے اور پوری رفتار سے سڑک پہ دوڑنے لگے۔ تینوں ڈرائیور رک گئے اور پھر ٹیکسیوں کی طرف لپکے۔

○

سات بچے

فرزانہ کے ہاتھ میں اگرچہ سوٹ کیس تھا، پھر بھی وہ ان دونوں سے آگے دوڑی جا رہی تھی، یوں لگتا تھا جیسے اس کے پر لگ گئے ہوں، محمود اور فاروق اس سے چند قدم کے فاصلے پر تھے اور اس تک پہنچنے کے لیے سر توڑ کوشش کر رہے تھے، آخر انہوں نے اسے جا ہی لیا اور تینوں ساتھ ساتھ دوڑنے لگے۔ وہ سڑک پہ کچھ اس طرح دوڑ رہے تھے جیسے موت ان کا پیچھا کر رہی ہو۔ حالانکہ ان میں سے کسی کے چہرے پر خوف کا نام و نشان تک نہ تھا۔

"توبہ ہے... تم لڑکی ہو یا چھلاوہ!" محمود ہانپتے ہوئے بولا۔

"اس وقت بولنا ٹھیک نہیں، ہماری پوری طاقت دوڑنے پر صرف ہونی چاہیے۔" فرزانہ نے مشورہ دیا۔

"ہاں! تم ٹھیک کہتی ہو، وہ ٹیکسیوں میں بیٹھ کر ہمارے پیچھے ضرور آئیں گے، اس لیے ہمیں جلد از جلد جس قدر دور ممکن ہو،

نکل جانا چاہیے ۔" محمود بولا۔

" لیکن سوال تو یہ ہے کہ ہم ٹیکسیوں کا مقابلہ کس طرح کر سکیں گے ۔" فاروق بولا۔

"کیوں نہیں کر سکتے۔ جونہی ٹیکسیاں نزدیک پہنچیں گی، ہم جنگل میں دوڑنا شروع کر دیں گے اور دوڑ کر ہمیں پکڑنا ان بے چاروں کے بس کا روگ کہاں ۔" محمود نے کہا۔

"اچھی ترکیب ہے، لیکن مشکل یہ ہے کہ محمود نے بتائی ہے ۔" فاروق نے مسمسی صورت بنا کر کہا۔

"اس میں مشکل کی کیا بات ؟" فرزانہ بولی۔

"ترکیبیں ہمیشہ تم بتاتی ہو . . . جب کہ آج محمود نے بتائی ہے۔"

"تو پھر . . . یہ مشکل کیسے ہو گئی ۔" فرزانہ نے بھی جھلا کر کہا۔

"ابھی ابھی تم نے کہا تھا کہ اس وقت بولنا ٹھیک نہیں —" فاروق مسکرایا۔

"تو تم کب خاموش ہوئے ہو۔"

"اب تو ہونا ہی پڑے گا ۔ ٹیکسیاں سر پر آ پہنچیں ۔"

ٹیکسیوں کا شور ان کے کانوں میں گونجنے لگا تھا۔ انہوں نے فوراً ہی جنگل میں چھلانگیں لگا دیں اور سرپٹ دوڑنے لگے۔ وہ گھنے درختوں والا جنگل تھا، اس لیے ٹیکسیاں اس میں داخل نہیں کی جا سکتی تھیں۔ ڈرائیوروں نے جو یہ دیکھا تو سر پکڑ کر بیٹھ گئے۔ تاہم

انہوں نے سڑک نہ چھوڑی ، وہ سڑک پر ٹیکسیاں چلاتے رہے۔ اور محمود ، فاروق اور فرزانہ جنگل میں سے دوڑتے ہوئے شہر کی طرف بڑھتے رہے۔

"آہستہ آہستہ درمیانی فاصلہ بڑھاتے رہو ۔" فرزانہ نے کہا۔

"کیا مطلب ؟"

"مطلب یہ کہ سڑک سے دور ہوتے رہو۔ تاکہ جب ہم شہر کے نزدیک پہنچیں تو یہ ایک دم ہم تک نہ پہنچ جائیں۔" فرزانہ بولی۔

"اچھی بات ہے۔"

انہوں نے اس ترکیب پر عمل کیا۔ یہ دوڑ آدھ گھنٹے تک جاری رہی۔ آخر درختوں کا سلسلہ ختم ہو گیا اور انہیں آبادی میں داخل ہونا پڑا۔ فرزانہ کی ترکیب کے باعث جب وہ آبادی میں داخل ہوئے تو ڈرائیور ان سے کافی فاصلے پر تھے، انہوں نے آؤ دیکھا نہ تاؤ، ایک تنگ سی گلی میں گھس گئے اور پھر اندھا دھند دوڑتے چلے گئے۔ کافی دیر بعد جب انہوں احساس ہوا کہ اب کوئی ان کا تعاقب نہیں کر رہا ہے تو وہ رک گئے۔ انہوں نے دیکھا، وہ ایک گلی کے سرے پر کھڑے تھے اور آس پاس سے گزرنے والے انہیں حیرت بھری نظروں سے دیکھ رہے تھے، بلکہ ان کی آنکھوں میں حیرت کا ایک عجیب عالم تھا۔

"کیوں جناب! ہوٹل النور یہاں سے کتنی دور ہے۔" محمود نے ایک راہگیر سے پوچھا۔

"پہلے یہ بتائیے، آپ لوگ اس طرح بھاگ کیوں رہے ہیں۔"

"کچھ غنڈے ہمیں پکڑ لے جانا چاہتے تھے، بس ہم بھاگ کھڑے ہوئے۔" محمود نے بتایا۔

"اوہ! پھر تو تم تینوں بہت خوش قسمت ہو۔" راہگیر بولا۔ "مگر تم شاید۔۔۔۔"

"جی۔ کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ آج کل مراد آباد میں بچے اغوا کیے جا رہے ہیں جو بچہ اغوا ہوتا ہے، دوسرے دن شہر کی کسی سڑک پر اس کی لاش ملتی ہے، لہذا لوگوں نے بچوں کو اپنے گھروں میں بند کر لیا ہے، یہی وجہ ہے کہ تم تینوں کو یہ سب لوگ حیرت بھری نظروں سے دیکھ رہے ہیں۔"

"اوہ! یہ ٹھیک ہے کہ ہم پردیسی ہیں اور ابھی تھوڑی دیر پہلے ہی گاڑی سے اترے ہیں۔" فاروق نے کہا۔ اب انہیں تار کے الفاظ یاد آئے، تار جو ان کے والد کی طرف سے دیا گیا تھا۔ اس میں لکھا تھا:

مراد آباد کے ہوٹل النور میں تمہارے لیے کمرہ بک کرا دیا گیا ہے۔ کل کی گاڑی سے وہاں پہنچ جاؤ۔۔۔ اسٹیشن

سے اتر کر سیدھے ہوٹل میں پہنچ جانا اور اس وقت تک باہر نہ نکلنا جب تک کہ میں تم سے آ کر نہ مل لوں۔"

"اب ہم سمجھے، پھر تو شاید وہ ہم تینوں کو اغوا ہی کرنے کے چکر میں تھے۔" محمود نے کہا۔

"بالکل!"

"اچھا تو پھر ذرا جلدی سے ہوٹل النور کا راستہ بتا دیں، کہیں وہ پھر ہم تک نہ پہنچ جائیں۔" فرزانہ بولی۔

"یہاں سے دائیں ہاتھ چلے جائیں، آگے ایک چوک آئے گا، اس چوک سے بائیں ہاتھ مڑنا ہے، اسی لائن میں ہوٹل النور ہے۔"

"بہت بہت شکریہ!" تینوں نے ایک ساتھ کہا اور تیز تیز قدم اٹھانے لگے، کوئی دس منٹ تک چلنے کے بعد وہ النور کے سامنے پہنچ گئے اور اس وقت انہوں نے دور سے دیکھا، ہوٹل سے کچھ فاصلے پر ٹیکسی سٹینڈ تھا اور وہاں وہ تینوں ٹیکسیوں والے اپنی اپنی ٹیکسی سے لگے کھڑے تھے، ان کی نظریں ہوٹل النور کے دروازے پر جمی تھیں۔

"یار یہ تو یہاں بھی پہنچ گئے۔" محمود کے منہ سے نکلا۔

"اور تمہارا کیا خیال تھا، انہیں کہاں پہنچنا چاہیے تھا۔" فاروق

مسکرایا۔

"لیکن اب ہم کیا کریں، اگر ہم اندر اپنے کمرے میں جائیں گے، تو یہ وہاں بھی پہنچ جائیں گے۔" محمود نے کہا۔

"تو پہنچنے دو، ہم اس وقت تک اپنے کمرے کا دروازہ نہیں کھولیں گے جب تک ابا جان نہیں آ جاتے۔" فرزانہ بولی۔

"بس ٹھیک ہے آؤ چلیں۔"

تینوں ہوٹل کے دروازے میں سے داخل ہوتے ہوئے کاؤنٹر پہ آئے۔

"یہاں ہمارے لیے ایک کمرہ بُک کرایا گیا ہے۔" محمود نے کاؤنٹر والے سے کہا۔

"کیا نام ہیں آپ کے۔" اس نے پوچھا۔

"محمود، فاروق اور فرزانہ۔" محمود نے بتایا۔

"اوہ ہاں، ٹھہریے میں رجسٹر میں دیکھ کر کمرے کا نمبر بتاتا ہوں۔"

یہ کہہ کر اس نے رجسٹر کھولا اور تھوڑی دیر بعد بولا۔

"کمرے کا نمبر چوبیس ہے، تیسری منزل۔"

"کیا لفٹ لگی ہوئی ہے یا سیڑھیاں چڑھ کر جانا ہوگا۔" محمود نے پوچھا۔

"جی لفٹ کی سہولت موجود ہے۔" اس نے کہا۔

"بہت خوب! اب ہمارے کمرے کی چابی عنایت کر دیں۔"

کاؤنٹر والے نے چابیوں والے بورڈ سے تیسری منزل کے کمرہ نمبر ۲۴ کی چابی نکالی اور ان کے حوالے کر دی اور وہ ایک بیرے کی رہنمائی میں لفٹ کی طرف چلے، تھوڑی دیر بعد تیسری منزل پر لفٹ رُکی اور وہ اس سے باہر نکل آئے۔ بیرے نے لفٹ میں کھڑے کھڑے ہی کمرے کی سمت کے بارے میں بتایا، اور وہ اس طرف چل پڑے۔

"ابھی تک یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی کہ ابا جان نے اس پُر اسرار طریقے پہ ہمیں یہاں کیوں بلایا ہے۔" محمود نے سوچ میں ڈوبے لہجے میں کہا۔

"فکر نہ کرو، یہ بات میری سمجھ میں بھی نہیں آئی اور مجھے امید ہے کہ فرزانہ کی سمجھ... بھی اس سلسلے میں فیل ہو گئی ہوگی۔ دوسری بات جس کے لیے ہمیں فکر مند ہونے کی ضرورت ہے، وہ یہ ہے کہ ہم بہت لیٹ پہنچے ہیں، کہیں ابا جان ہمیں یہاں نہ پا کر واپس نہ چلے گئے ہوں۔" فاروق نے کہا۔

"پھر وہ دوبارہ آئیں گے، اس میں فکر مند ہونے والی کون سی بات ہے۔" فرزانہ بولی۔

"تمہارے لیے نہ ہوگی، لیکن جب کہ تین تین اغوا کرنے والے ہوٹل کے باہر موجود ہیں، کم از کم میں تو بے فکر نہیں رہ سکتا۔" فاروق بولا۔

"تو تمہیں منع کون کرتا ہے جتنا جی چاہے فکر کر لو۔" محمود نے جل کر کہا۔

"آ گیا غصہ... اور یہی میرا کمال ہے، جب چاہوں، تمہیں دو چار جملے بول کر غصہ دلا دوں جب کہ تم ایسا دس جملے بول کر بھی نہیں کر سکتے۔" فاروق شریر لہجے میں کہتا چلا گیا۔

"ہمیں ایسا کرنے کی ضرورت بھی کیا ہے۔"

اور پھر وہ کمرے کے سامنے پہنچ گئے، تالے دروازوں کے اندر ہی لگے ہوئے تھے۔ محمود نے چابی سوراخ میں داخل کر کے گھمائی، کلک کی آواز کے ساتھ دروازہ کھل گیا۔ انہوں نے پٹ کھولے اور اندر داخل ہو گئے، لیکن اس کے ساتھ ہی تینوں اس بری طرح اچھلے، جیسے کمرے میں انہیں کوئی بھوت نظر آ گیا ہو۔

○

جورڈی کو حیرت اس پر ہوئی تھی کہ پروفیسر کی رہائش پہ تو کوئی ملنے والا نہیں آتا تھا، اس کے لیے جو تین آدمی کام کر رہے تھے، وہ بھی صرف شام کے وقت ہی آ سکتے تھے، پھر یہ کون آ گیا تھا۔ آخر اس نے دروازہ کھول دیا اور یہ دیکھ کر چونک اٹھا کہ وہاں ٹام موجود تھا، وہ بری طرح ہانپ رہا تھا، گلی میں اس کی ٹیکسی بھی کھڑی تھی۔

"خیر تو ہے، تم بے وقت کیوں آئے اور ہانپ کس سلسلے میں رہے ہو۔"

"سٹیشن سے تین بچے گاڑی سے اترے تھے، میں نے انہیں ٹیکسی میں بٹھا لیا تھا، انہیں ہوٹل النور چلنا تھا، لیکن میں انہیں جنگل کی طرف لے بھاگا، تاکہ رات ہونے تک انہیں جنگل والے ٹھکانے پہ بند رکھوں اور پھر یہاں لے آؤں، میرے پیچھے پیچھے روڈا اور جموگا بھی تھے۔"

"یہ تو بڑی اچھی خبر ہے، پروفیسر تمہیں بہت بڑا انعام دے گا۔"

"خبر اچھی ہی تو نہیں، وہ ہم تینوں کے قبضے میں آنے سے پہلے ہی نکل گئے۔"

"کیا مطلب کیسے نکل گئے... وہ تو تمہاری ٹیکسی میں ہی بیٹھے ہوئے تھے۔"

"بس انہوں نے بھانپ لیا کہ میں انہیں ہوٹل کی بجائے کہیں اور لیے جا رہا ہوں۔"

"پھر بھی... وہ نکل کس طرح گئے، کیا انہوں نے چلتی ٹیکسی سے چھلانگیں لگا دی تھیں۔" جورڈی نے جھلا کر کہا۔ اور ٹام نے اسے سب کچھ تفصیل سے بتا دیا۔ جورڈی کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔ آخر میں ٹام نے کہا۔

"میں نے روڈے اور جمبوگا کو ہوٹل النور کے سامنے بھیج دیا ہے اور اب خود بھی وہیں جا رہا ہوں ۔ وہ شام کو گھومنے پھرنے کے لیے نکلیں گے ، اس وقت ہم انہیں ضرور اغوا کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے ، دراصل ہم دھوکا کھا گئے ہیں ۔"

"ٹھیک ہے ... بلکہ اگر وہ سیر کے لیے نہ نکلیں تو پھر تم ان تینوں کو ہوٹل میں سے زبردستی اغوا کر لانا ۔" جورڈی نے کہا ۔

"لیکن اس طرح تو ہم پکڑے جائیں گے ۔" ٹام نے بوکھلا کر کہا ۔

"نہیں پکڑے جاؤ گے ؛ تم ہوٹل کے صدر دروازے سے اندر داخل ہونا اور عقبی راستے سے انہیں اٹھا کر نکل آنا ۔"

"کیا عقبی دروازہ کھلا رہتا ہے ؟" ٹام نے پوچھا ۔

"نہیں ... . لیکن آج رات کھلوا دیا جائے گا ... ہوٹل میں کچھ ہمارے آدمی بھی ہیں ۔" جورڈی نے کہا ۔

"بہت ... بہتر ... تو پھر میں چلتا ہوں ...... ان دونوں کو بھی جا کر اطلاع دینی ہے ۔" اس نے کہا ۔

"ٹھیک ہے ۔" جورڈی نے کہا اور واپس مڑ گیا ۔ دروازہ بند کر کے وہ پروفیسر کے پاس آیا ، تو وہ فون کا ریسیور رکھ رہا تھا ۔

"کیوں جورڈی ، کون تھا دروازے پر ۔"

"جی ٹام تھا ... اس نے بتایا ہے کہ اسٹیشن سے تین بچے ہوٹل النور پہنچے ہیں اور وہ آج رات انہیں اغوا کرنے کا پروگرام بنا چکے ہیں ۔"

"کیوں ... وہ انہیں اسٹیشن سے کیوں نہیں لے آئے ۔"

"وہ ان کے ہاتھ سے نکل گئے ۔"

"اوہ ... خیر ... کیا تمہیں ان پر اعتماد ہے ، وہ انہیں لے آئیں گے ۔"

"جی ہاں ! میں ان کی آسانی کے لیے ہوٹل النور کا عقبی دروازہ کھلوا دوں گا ۔"

"بہت خوب ... شاندار ...... تم سے بہتر آدمی مجھے کبھی نہیں ملے گا ۔"

"شکریہ پروفیسر ، لیکن آپ نے مجھے آج تک یہ نہیں بتایا کہ آپ ان بچوں کا کریا رہے ہیں ۔"

"سات بجے پورے ہو لینے دو ، پھر بتاؤں گا ... اور صرف تمہیں بتاؤں گا اور کسی کو نہیں ، اب تم اپنے بارے میں سنو .... تم نے سلطان کو انسپکٹر جمشید کے لیے بھیجا تھا ، وہ تمہاری گولی سے فوراً ہی ہلاک ہو گیا ، اس نے ایک لفظ

بھی نہیں بتایا۔"

"بہت خوب .... اس کا مطلب ہے، انسپکٹر جمشید میری راہ پہ نہیں لگ سکے گا۔" جورڈی نے خوش ہو کر کہا پھر بولا۔

"آپ فکر نہ کریں ... آج میں خود ہوٹل مون لائٹ جاؤں گا .... میری جیب میں بے آواز ریوالور ہوگا .... میں دیکھوں گا، وہ کتنا خوش قسمت ہے۔"

"نہیں جورڈی! تم ایسا نہیں کرو گے۔" پروفیسر نے فوراً کہا۔

"کیوں پروفیسر ... کیا آپ ایسا نہیں چاہتے۔" جورڈی نے پوچھا۔

"ہاں! میں چاہتا ہوں ـــــ لیکن یہ ہم بعد میں کر لیں گے ـــــ پہلے تو ہمیں یہاں بیٹھ کر ان تین بچوں کا انتظار کرنا ہے ... جن کے یہاں آنے کے ساتھ ہی میرے راستے کی تمام مشکلات ختم ہو جائیں گی۔"

پروفیسر کے لہجے میں عجیب سا خوف ناک پن آگیا۔

.... جورڈی اسے خوف زدہ نظروں سے دیکھنے لگا، مگر وہ تو کسی خیال میں گم ہو گیا تھا .... اسے تو شاید یہ یاد ہی نہیں رہ گیا تھا کہ کمرے میں اس کے پاس جورڈی بھی موجود ہے۔

○

انسپکٹر جمشید کی خواہش

سب انسپکٹر جان نہ جانے کب تک حیرت زدہ رہتا اگر انسپکٹر جمشید اسے اپنی طرف متوجہ نہ کر لیتے۔

"کیا بات ہے جناب! آپ تو کچھ زیادہ ہی حیران نظر آ رہے ہیں۔"

"آپ نے جو نام بتایا تھا، ریکارڈ کیپر نے بھی وہی نام بتایا ہے، بلکہ اس کا کہنا ہے کہ 'جو' سے شروع ہونے والا نام ہی فہرست میں صرف جورڈی ہے، اب سوال یہ ہے کہ آپ جورڈی سے کس طرح واقف ہیں، وہ تو بہت خطرناک آدمی ہے اور میں تو اب یہ بھی سوچ رہا ہوں کہ اگر آپ کا دشمن جورڈی ہے تو پھر اس نے سلطان کو ہرگز نہیں بھیجا ہو گا، کیونکہ وہ ایسے کام خود کرنے کا عادی ہے۔"

"وہ خود میرے سامنے اس لیے نہیں آیا کہ میں اس سے اچھی طرح واقف ہوں۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"یہی تو میں معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ آپ اس سے کس طرح واقف ہیں۔" سب انسپکٹر جان نے کہا۔

"میری اور اس کی بہت پرانی دشمنی ہے۔ ایک بار دارالحکومت میں میں نے اس کے خلاف عدالت میں گواہی دی تھی اور صرف میری گواہی کی وجہ سے اسے تین سال جیل میں کاٹنے پڑے تھے، ورنہ پولیس کے پاس کوئی ثبوت نہیں تھا۔" انہوں نے کہا۔

"اوہ تو یہ بات ہے... خیر... آپ ہال میں بیٹھ سکتے ہیں باہر نہیں جا سکتے۔"

"جورڈی کے بارے میں معلوم ہو جانے کے بعد بھی آپ مجھ پر پابندی لگا رہے ہیں۔" انسپکٹر جمشید نے تیز لہجے میں کہا۔

"ابھی یہ بات ثابت نہیں ہوئی کہ اس شخص کا قاتل واقعی جورڈی ہے۔" اس نے جواب دیا۔

"بہت اچھا... میں نیچے بیٹھتا ہوں، آپ ذرا جلدی فارغ ہونے کی کوشش کیجیے گا، کیونکہ میں بہت تھکا ہوا ہوں اور آرام کے موڈ میں ہوں، اگر آپ مجھے باہر جانے کی اجازت دے دیتے تو میں کسی اور ہوٹل میں کمرہ لے کر آرام کر سکتا تھا۔" انہوں نے کہا۔

"آپ کو زیادہ دیر انتظار نہیں کرنا پڑے گا، اکرم تم ان کے ساتھ نیچے جاؤ۔ ہال کے دروازے پر موجود رہنا، یہ باہر نہ جانے پائیں۔" سب انسپکٹر جان ان سے کہنے کے بعد اپنے ایک ماتحت

سے بولا۔

"بہت بہتر سر!" اس نے کہا اور انسپکٹر جمشید کمرے سے نکل کر زینے کی سیڑھیاں اترنے لگے۔

"اگر میں ہوٹل سے باہر جانا چاہوں تو آپ کا کیا خیال ہے؟" انسپکٹر جمشید نے دبی آواز میں کہا۔

"کیا مطلب!" کانسٹیبل اکرم چونکا۔

"میں تمہیں نقدی کی صورت میں ایک بڑی رقم پیش کر سکتا ہوں۔"

"میں نے آج تک رشوت نہیں لی جناب... میں اپنے آپ کو اور اپنے بیوی بچوں کو حرام کا لقمہ نہیں کھلا سکتا۔" اس نے غصیلے لہجے میں کہا۔

"کیا بالکل سچ کہہ رہے ہو۔"

"جی ہاں! میں ایسی کمائی پر لعنت بھیجتا ہوں۔" اس نے کہا۔

"دس ہزار روپے کے بارے میں کیا خیال ہے۔"

"دس لاکھ بھی نہیں۔" اس نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

"سوچ لو... ایسے موقعے بار بار نہیں آیا کرتے۔"

"اس میں سوچنے والی کون سی بات ہے۔" اس نے لاپرواہی سے کہا۔

"بہت خوب... تم کس عہدے پر ترقی چاہتے ہو۔" انسپکٹر جمشید نے مسکرا کر کہا۔

"کیا مطلب؟" اس نے حیرت بھرے لہجے میں کہا۔

"مطلب یہ کہ تمہیں حوالدار لگوا دیا جائے تو کیا خیال ہے۔"

"میں یہ رشوت بھی قبول نہیں کروں گا۔"

"اس وقت میں رشوت کی بات نہیں کہہ رہا، ایمانداری کے انعام کی بات کر رہا ہوں، میں چاہتا ہوں تمہیں ترقی مل جائے۔"

"آپ مجھے ترقی کیسے دلوا سکتے ہیں۔"

"یہ میرے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے، تم صرف تین دن بعد حوالدار ہو جاؤ گے کیونکہ پولیس کے محکمے میں تم جیسے دیانت دار آدمی کو کانسٹیبل نہیں رہنا چاہیے، کاش سبھی تم جیسے ہو جائیں۔" وہ کہتے چلے گئے۔

"آپ کی یہ باتیں مجھے نرم نہیں کر سکیں گی، میں آپ کو پھر بھی باہر نہیں جانے دوں گا۔"

"غلط سمجھے... باہر جانا چاہوں تو تم مجھے روک نہیں سکو گے ارے... اوہ..." یہ کہہ کر انہوں نے جلدی سے گھڑی کی طرف دیکھا اور پھر بولے۔

"ہوٹل سے باہر تو مجھے جانا ہوگا۔"

"ایسا نہیں ہوگا جناب!" اکرم نے سخت لہجے میں کہا۔

"خاموشی سے ہال کے دروازے پر کھڑے ہو جاؤ۔ اگر میں فرار ہونے کی کوشش کروں تو لاٹھی سے میرا سر پھاڑ دینا۔" انسپکٹر جمشید کا لہجہ خوف ناک ہو گیا۔ یہ تبدیلی ان میں اچانک آئی تھی... اکرم چونک اٹھا۔ اس نے بوکھلا کر ان کی طرف دیکھا تو ان کی آنکھوں میں اسے خون نظر آیا، وہ کانپ کر رہ گیا اور چپ چاپ ہال کے دروازے پر جا کر کھڑا ہو گیا۔

انسپکٹر جمشید ایک میز پر جا کر بیٹھ گئے، اکرم کی نظریں ان پر جمی تھیں، چند لمحوں کے بعد وہ اٹھے اور باتھ روم کی طرف چلے گئے۔ اکرم انہیں جاتے ہوئے دیکھتا رہا، کئی منٹ گزر گئے لیکن وہ انہیں واپس آتے ہوئے نظر نہیں آئے... اکرم کی پریشانی بڑھ گئی۔ اس نے کاؤنٹر پر جا کر سب انسپکٹر کو فون کیا اور ان کے بارے میں بتایا۔ فوراً سب انسپکٹر جان نیچے اتر آیا، اس کے ساتھ کانسٹیبل بھی تھے۔ وہ باتھ روم کی طرف گئے، یہاں مشترکہ باتھ روم بنے ہوئے تھے۔ انہوں نے ایک ایک دروازے پر جا کر اور دروازے کھٹکھٹا کر دیکھا، لیکن کسی غسل خانے میں بھی انہیں انسپکٹر جمشید نظر نہیں آئے۔ سب انسپکٹر جان اور کانسٹیبلوں کا مارے حیرت کے برا حال ہو گیا۔ پھر پورے ہوٹل کو چھان مارا گیا اور آخر سب انسپکٹر جان نے اکرم کانسٹیبل کو طلب کیا۔ اس کی خونخوار نظریں اس کے چہرے پر جم گئیں۔ پھر وہ گرج کر بولا۔

"بتاؤ! تم نے ڈاکٹر احسان الحق کو کتنی رشوت لے کر فرار ہونے کا موقع دیا ہے۔"

اس کا جملہ سن کر اکرم تھرا اٹھا۔ اس نے گڑگڑا کر کہا۔

"سر! مجھے پھانسی پر چڑھا دیں، لیکن رشوت کا الزام مجھ پر نہ لگائیں، میں نے آج تک کبھی رشوت نہیں لی۔"

"تم بکواس کرتے ہو، اپنے آپ کو زیرِ حراست سمجھو، اب تمہارا فیصلہ عدالت کرے گی۔" یہ کہہ کر اس نے دوسرے کانسٹیبلوں کو اشارہ کیا اور انہوں نے آگے بڑھ کر اکرم کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ڈال دیں۔

○

کمرے کے اندر انہیں ایک پھولی ہوئی ناک والا آدمی بیٹھا نظر آیا تھا، اس کی ایک آنکھ بھی بھینگی تھی۔ چند لمحے تک وہ اسے دیکھتے کے دیکھتے رہ گئے۔ پھر محمود نے گرج دار آواز میں کہا۔

"کون ہو تم... اور تم نے دروازہ کیسے کھولا، یہاں کیا کر رہے ہو۔ یہ کمرہ ہمارے لیے مخصوص ہے۔"

"میں بوڑھا آدمی ہوں اور تم لڑکے... اس رفتار سے سوال نہ کرو۔" اس نے مسکرا کر کہا۔

"تم بتاتے ہو یا..."

"یا کیا...؟" اس نے مسکرا کر پوچھا۔

"یا یہ کہ ہم تینوں مل کر تمہاری چٹنی بنا دیں گے۔" فاروق نے کہا۔

"مجھے بھی چٹنی کا بہت شوق ہے۔ اس بہانے میں بھی چکھ لوں گا۔" اس نے شوخ آواز میں کہا۔

"عجیب آدمی ہو۔" فاروق نے کہا۔

اس دوران فرزانہ بالکل خاموش رہی تھی، اس کی آنکھیں مارے حیرت کے پھٹی پڑ رہی تھیں۔

"فرزانہ! تمہیں کیا ہوا... تم کچھ نہیں بول رہی ہو۔"

"تم دونوں جو تڑا تڑ بول رہے ہو، بڑوں سے اس لہجے میں بات نہیں کیا کرتے، اور پھر یہ تو ابا جان ہیں۔" فرزانہ نے مسکرا کر کہا۔

"کیا!!!" محمود اور فاروق زور سے چلائے۔

"بہت خوب... فرزانہ! تم نے کمال کر دیا۔" یہ کہتے ہوئے انسپکٹر جمشید نے اپنی ناک پہ ہاتھ پھیرا تو ان کی ناک اصل حالت میں آگئی، اور آنکھ بھی درست ہو گئی۔

"کمال کا میک اپ ہے۔" محمود کے منہ سے نکلا۔

"میں نے اس کا نام چٹ پٹ میک اپ رکھا ہوا ہے۔ پلاسٹک کا یہ خول جب میں ناک پر چڑھا لیتا ہوں تو حیرت انگیز حد تک شکل تبدیل ہو جاتی ہے۔ آنکھ میں بھینگا پن پیدا کرنا تو اس سے بھی زیادہ آسان ہے۔"

"لیکن آپ کو میک اپ کی کیا ضرورت پیش آگئی۔" فرزانہ کے لہجے میں حیرت تھی۔

"مجھے تم سے ملاقات کے لیے یہاں آنا تھا، لیکن سب انسپکٹر جان نے مجھ پہ ہوٹل مون لائٹ سے باہر نکلنے پہ پابندی لگا دی، اس لیے میک اپ کا سہارا لینا پڑا۔"

"لیکن انہوں نے آپ پر پابندی کیوں لگائی؟" فرزانہ نے حیران ہو کر پوچھا۔

"میرے کمرے میں ایک آدمی نے مجھ پر حملہ کیا تھا، میں نے اس کا پستول چھین کر اسے سچ بولنے پہ مجبور کر دیا لیکن ابھی اس نے کچھ بتایا بھی نہیں تھا کہ کسی نے خاموش فائر کر کے اس کا کام تمام کر دیا۔ واردات میرے کمرے میں ہوئی تھی اس لیے سب انسپکٹر جان نے تفتیش ختم کرنے تک مجھ پہ پابندی لگا دی۔"

"کیا وہ آپ سے واقف نہیں ہیں۔" محمود نے پوچھا۔

"نہیں! میں ہوٹل میں ڈاکٹر احسان الحق کے نام سے ٹھہرا ہوا ہوں۔" وہ مسکرائے۔

"اوہ!" تینوں کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

"سب سے پہلے تو آپ یہ بتائیے کہ یہاں اچانک کیوں آنا پڑا تھا اور پھر یہ کہ ہمیں اس قدر پُراسرار طریقے سے کیوں بلایا گیا ہے۔" محمود نے کہا۔

"ہاں! اب میں تمہیں پوری تفصیل بتاؤں گا۔" انہوں نے کہا، اور مراد آباد میں ہونے والی وارداتوں کے بارے میں انہیں سب کچھ بتا ڈالا۔ پھر بولے۔

"اب پہلے تم یہ بتاؤ کہ تم اتنی دیر سے کیوں پہنچے ... اور راستے میں کسی سے لڑتے جھگڑتے کیوں رہے ہو۔"

"آپ کو کیسے معلوم ہوا کہ ہم لڑتے جھگڑتے رہے ہیں۔" محمود نے حیران ہو کر پوچھا۔

"تمہارے حلیوں سے اس بات کا صاف پتا چل رہا ہے، بلکہ میں تو یہ بھی کہہ سکتا ہوں کہ تم کافی دیر تک بھاگتے بھی رہے ہو۔" انہوں نے کہا۔

"یہ کس بات سے ظاہر ہے؟" فرزانہ نے جلدی سے پوچھا۔

"آج کل اتنی گرمی نہیں ہے، لیکن تمہارے چہروں پر پسینہ کافی نظر آ رہا ہے۔"

"آپ ٹھیک کہتے ہیں۔" محمود نے کہا پھر اپنے ساتھ پیش آنے والے حالات کہہ سنائے۔

"تو وہ تینوں ٹیکسی ڈرائیور اب بھی نیچے موجود ہیں۔"

انہوں نے پوچھا۔

"جی ہاں!"

"خیر تم ان کی طرف سے فکر نہ کرو۔" انہوں نے کہا۔

"اب آپ یہ بتائیے کہ آپ نے اس قدر پُراسرار انداز میں ہمیں یہاں کیوں بلایا ہے۔"

"میں تمہیں اغوا کرانا چاہتا ہوں۔" انہوں نے مسکرا کر کہا۔

"کیا!!!" تینوں اچھل پڑے۔

○

میدانِ عمل میں

"ہاں! پروگرام یہی ہے، پورے مراد آباد کے لوگوں نے اپنے بچوں کو گھروں میں بند کر لیا ہے اور مجرموں کا دور دور تک کوئی سراغ نہیں... ان کا سراغ لگانے کی اب صرف یہی ترکیب ہے کہ ایک دو بچے باہر سڑک پر نکل جائیں۔ وہ لوگ انہیں اغوا کر کے لے جائیں اور ہم ان کا پیچھا کریں۔"

"بہت خوب! تو آپ ہمیں چارے کے طور پر استعمال کرنا چاہتے ہیں۔" محمود نے خوش ہو کر کہا۔

"تم تو اس طرح خوش ہو رہے ہو جیسے تمہیں کوئی انعام دیا جا رہا ہے۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"یہ انعام نہیں تو اور کیا ہے کہ ہمیں مجرموں کو پکڑنے کے لیے استعمال کیا جا رہا ہے۔" فرزانہ بولی۔

"خیر... بحث میں نہ پڑو، اور یہ سن لو کہ پروگرام کیا ہے، تم مغرب سے ذرا پہلے یہاں سے نکل کر سیدھے چلتے جاؤ گے، اور اگر کوئی تمہیں اغوا کرنے کی کوشش کرے تو اغوا ہو جانا۔"

انہوں نے کہا۔

"لیکن ابا جان! اب ہم آسانی سے کس طرح اغوا ہو سکتے ہیں، اگر ہمارا تعاقب ان تینوں ٹیکسی ڈرائیوروں نے کیا تو پھر ہمیں ہاتھ پیر ضرور ہلانے پڑیں گے ورنہ یہ لوگ سمجھ جائیں گے کہ ہم ڈرامہ کھیل رہے ہیں۔"

"اگر تمہارا واسطہ ان سے پڑے تو پھر ہاتھ پیر بھی ضرور ہلا لینا، لیکن آخر میں کامیاب انہی کو ہونے دینا۔"

"بہت بہتر!" انہوں نے ایک ساتھ کہا۔

"تو پھر اب میں چلتا ہوں... فکر نہ کرنا، میں تمہارے آس پاس ہی موجود ہوں گا اور ہاں... فرزانہ تم یہ لاکٹ گلے میں پہن لو۔" انہوں نے جیب میں سے ایک سرخ رنگ کی ڈبیا نکال کر اس کی طرف بڑھا دی۔

"اس کی کیا ضرورت ہے ابا جان۔" فرزانہ نے حیران ہو کر کہا۔

"یہ لاکٹ مجھے بہت اچھا لگا تھا، میں نے تمہارے لیے خرید لیا۔" انہوں نے کہا۔

"ابا جان! کیا آپ کو ہمارے لیے کوئی چیز اچھی نہیں لگی۔" فاروق نے برا سا منہ بنایا۔

"میں صرف ضرورت کی چیزیں خریدتا ہوں اور اس وقت

ضرورت اس لاکٹ کی ہی تھی۔" انہوں نے کہا۔

فرزانہ نے ان کے سامنے ہی لاکٹ اپنے گلے میں ڈال لیا، وہ بہت خوبصورت تھا۔ فرزانہ کا چہرہ خوشی سے چمکنے لگا اور وہ طنزیہ انداز میں انہیں دیکھنے لگی۔

انسپکٹر جمشید اُٹھے اور کمرے سے نکل گئے۔ ہوٹل سے باہر آکر انہوں نے ایک نظر ان تین ٹیکسی ڈرائیوروں پر ڈالی اور پھر ان میں سے ایک کی طرف بڑھنے لگے، اس کے قریب پہنچ کر انہوں نے کہا۔

"کیوں بھئی... چلو گے۔"

"جی نہیں... ٹیکسی فارغ نہیں ہے۔" اس نے کہا۔

"پولیس... مجھے بہت ضروری جانا ہے۔ چند منٹ کا راستہ ہے۔"

ڈرائیور پولیس کا نام سن کر چونکا، اس نے انہیں گھور کر دیکھا اور بولا۔

"آپ کا تعلق پولیس سے ہے؟"

"ہاں! اگر نہیں چلو گے تو مصیبت میں گرفتار ہو جاؤ گے۔"

"بہت بہتر جناب! بیٹھیے۔" اس نے پچھلا دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔

وہ ٹیکسی میں بیٹھ گئے۔ ڈرائیور نے ساتھ والے ٹیکسی ڈرائیور

کے نزدیک جا کر دبی آواز میں کچھ کہا اور پھر اپنی ٹیکسی میں آ بیٹھا اور ٹیکسی چل پڑی۔

"تمہارا کیا نام ہے دوست!" انسپکٹر جمشید نے نرم آواز میں پوچھا۔

"کیوں... آپ میرا نام کیوں پوچھ رہے ہیں۔" اس نے چونک کر کہا۔

"بس ویسے ہی... آج تم میرے کام آئے ہو، شاید میں کل تمہارے کام آ سکوں۔" انہوں نے کہا۔

"میرا نام روڈا ہے۔" اس نے کہا۔

"روڈا... یہ کیسا نام ہوا؟"

"بس بچپن میں یہی نام پڑ گیا تھا۔" اس نے کہا۔ "جانا کہاں ہے صاحب۔"

"سیدھے چلتے رہو اور ذرا تیز چلو... میرے پاس وقت بہت کم ہے۔"

"بہت بہتر۔" اس نے کہا اور رفتار بڑھا دی۔

انسپکٹر جمشید کا ذہن بہت تیزی سے کام کر رہا تھا۔

○

محمود، فاروق اور فرزانہ اپنے والد کی ہدایت کے مطابق

مغرب سے تھوڑی دیر پہلے ہوٹل سے نکل کر سڑک پر چہل قدمی کرنے کے انداز میں چلنے لگے، وہ آپس میں باتیں بھی کر رہے تھے اور ہنس بھی رہے تھے۔ تھوڑی دور جا کر ہی انہوں نے محسوس کر لیا کہ تعاقب شروع ہو چکا ہے۔

"جب سے ابا جان ہوٹل سے گئے ہیں، میں صرف ایک بات سوچ رہا ہوں۔" محمود کہہ رہا تھا۔

"خدا کا شکر ہے کہ اس وقت سے تمہیں سوچنے کے لیے ایک ہی بات نظر آئی ہے، ورنہ تم دو بھی سوچ رہے ہوتے تو ہم کیا کر لیتے۔" فاروق بولا۔

"پہلے یہ تو پوچھ لو، وہ بات کیا ہے۔" فرزانہ مسکرائی۔

"میں کیوں پوچھوں، تم خود پوچھو!" فاروق بولا۔

"بہت بہتر! میں ہی پوچھ لیتی ہوں، چلو بھئی محمود بتاؤ، تم کیا سوچ رہے ہو۔"

"یہ کہ ابا جان نے تمہیں یہ لاکٹ کیوں دیا ہے۔"

"تو یوں کہو... تمہیں اب تک جلن ہو رہی ہے۔" فرزانہ مسکرائی۔

"جلیں میرے جوتے... میں تو اس لاکٹ پر غور کر رہا ہوں۔"

"لو! اب لاکٹوں پر بھی غور ہونے لگے۔" فاروق بول پڑا۔

"تو تم کس چیز پر غور کرنا پسند کرتے ہو۔" محمود نے جھلا کر کہا۔

"قرآن پر! حدیث پر۔ ان باتوں پر جن کی ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم دی ہے۔" فاروق نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔

"بھئی واہ، شاید تم نے زندگی میں پہلی مرتبہ کوئی کام کی بات کی ہے۔" فرزانہ نے خوش ہو کر کہا۔

"بہت خوب... خدا کا شکر ہے کہ تمہیں میری یہ بات پسند آئی۔" فاروق بولا۔

"ابھی تک تم نے وہ بات نہیں بتائی جو تم ابا جان کے جانے کے بعد سے سوچ رہے ہو۔" فرزانہ نے کہا۔

"میں یہ سوچ رہا ہوں کہ آخر وہ شخص کیا چاہتا ہے جو بچوں کو اغوا کر رہا ہے اور دوسرے دن بچے مردہ حالت میں کیوں ملتے ہیں، وہ بھی اس حالت میں کہ ان کے جسم پر زخم کا کوئی نشان نہیں ہوتا، نہ گلا گھونٹنے کے آثار ہوتے ہیں۔"

"یہ تو تم کوئی ایسی بات نہیں سوچ رہے ہو جو ہم نے نہ سوچی ہو۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"کیا اس بات کا کوئی جواب تمہاری سمجھ میں آتا ہے۔" محمود نے جھلا کر پوچھا۔

"ابھی تو آتا نہیں... لیکن شاید کچھ دیر بعد آ جائے۔" اس

نے کہا۔

"ابا جان نے مجرموں کے خلاف جال بچھایا ہے اور ہمیں چارے کے طور پر استعمال کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔" فاروق نے کہا۔

"گویا ہم چارا ہیں۔" محمود نے کہا۔

"نظر تو نہیں آتے چارے!" فرزانہ بولی۔

"تو پھر بے چارے نظر آتے ہوں گے۔" فاروق نے مسکرا کر کہا۔

"چارے ہیں یا بے چارے... بے کارے نہیں ہیں۔" محمود نے منہ بنا کر کہا۔

"یہ بے کارے کیا ہوتا ہے۔" فرزانہ ہنسی۔

"بے کار کی جمع۔" فاروق بول اٹھا۔

"میرا خیال ہے، اب ہمیں خاموش ہو جانا چاہیے۔" محمود بولا۔

"وہ کیوں؟" فاروق نے حیران ہو کر کہا۔

"ایک ٹیکسی چند لمحے بعد ہی ہمارے نزدیک پہنچنے والی ہے۔" اس نے بتایا۔

"پہنچنے دو، ہمارا کیا بگاڑ لیں گے۔"

عین اسی وقت ٹیکسی ان کے بالکل برابر آ کر رک گئی۔ ڈرائیور

نے پستول ان پر تان لیا اور سرد آواز میں بولا۔

"اس ٹیکسی میں بیٹھ جاؤ..... ورنہ میں فائر کر دوں گا۔ پستول بے آواز ہے اور اس میں پوری سات گولیاں ہیں، جب کہ تم صرف تین ہو۔"

انہوں نے دیکھا، یہ انہی تین میں سے ایک تھا... وہ چاہتے تو اسے نہایت آسانی سے الو بنا سکتے تھے، لیکن چونکہ خود ہی اغوا ہونے کا پروگرام بنا چکے تھے، اس لیے کوئی ایسا قدم نہ اٹھایا، البتہ چپ چاپ بیٹھ جانا بھی انہیں پسند نہیں تھا لہٰذا محمود نے کہا۔

"آخر تم لوگ چاہتے کیا ہو؟ کیوں ہمارے پیچھے پڑ گئے ہو۔ ہم نے تمہارا کیا بگاڑا ہے۔"

"در اصل ہم تمہاری دعوت کرنا چاہتے ہیں۔" ڈرائیور نے کہا۔

"لیکن یہ دعوت کرنے کا کون سا طریقہ ہے۔" فاروق نے پستول کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"ہمارے ہاں دعوت اسی طرح کی جاتی ہے۔" اس نے کہا۔

"اور اگر ہم تمہارے ساتھ جانے سے انکار کر دیں۔" محمود

نے سوالیہ لہجے میں کہا۔

"تو پھر ہم تمہیں زبردستی لے جائیں گے۔" ڈرائیور بولا۔

"یہ کوشش تم ایک بار پہلے بھی کر چکے ہو۔" فاروق مسکرایا۔

"اس وقت ہم نے چاقو سے کام نکالنا چاہا تھا، اب میرے ہاتھ میں ریوالور ہے۔"

"کیا یہ واقعی بھرا ہوا ہے۔" فرزانہ نے پوچھا۔

"ہاں! اس میں پوری چھ گولیاں ہیں۔"

"اس کا مطلب ہے، یہ نقلی تو ہرگز نہیں ہوگا۔" فاروق نے بوکھلا کر کہا۔

"ہرگز نہیں۔" اس نے بارعب لہجے میں کہا۔

"بہت خوب! اس کا مطلب ہے، ہمیں تمہارے ساتھ چلنا ہی ہوگا۔" محمود نے کہا۔

"محمود ... تم نے غلط کہا، ہم ان کے ساتھ نہیں جائیں گے۔" فرزانہ نے منہ بنایا۔

"پستول کی موجودگی میں ہم کر ہی کیا سکتے ہیں۔"

"بھاگ تو سکتے ہیں ... آؤ چلیں۔" فرزانہ نے کہا اور پیچھے کی طرف دوڑ لگا دی۔ محمود اور فاروق نے بھی اس کا ساتھ دیا۔ ٹیکسی ڈرائیور نے ان کے پیچھے بھاگنے کی کوشش نہیں کی۔ البتہ اس نے اپنا رخ ضرور موڑ لیا۔

فوراً ہی محمود، فاروق اور فرزانہ کے اٹھتے قدم رک گئے۔ سڑک پر ان کے سامنے دوسری ٹیکسی رکی کھڑی تھی اور اس کا ڈرائیور ٹیکسی سے آگے سڑک پر ٹانگیں چوڑی کیے کھڑا تھا، اس کے ہاتھ میں بھی ایک ریوالور تھا۔

○

یہ بچے خطرناک ہیں

"یار فاروق... اب ہم کیا کریں۔" محمود نے تھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"مجھ سے نہیں فرزانہ سے پوچھو، ترکیبیں بتانے کی ماہر یہی ہے۔" فاروق نے مایوسانہ لہجے میں کہا۔

"کیوں فرزانہ : تمہارا کیا خیال ہے۔"

"اب ہم کیا کر سکتے ہیں، آگے بھی دشمن پیچھے بھی دشمن... آؤ ان کے ساتھ بیٹھ جاتے ہیں۔ ذرا دیکھیں تو سہی، یہ ہماری مہمان نوازی کس طرح کرتے ہیں۔" فرزانہ نے کہا۔

"تجویز معقول ہے۔" فاروق بولا۔

انہوں نے اپنے رُخ موڑے اور پھر اگلی ٹیکسی کی طرف چل پڑے۔ انہیں واپس لوٹتے دیکھ کر پہلا ڈرائیور مسکرا دیا اور ان کے لیے پچھلا دروازہ کھول دیا۔ تینوں خاموشی سے ٹیکسی میں داخل ہو گئے۔ چند سیکنڈ بعد ٹیکسی سڑک پر اڑی جا رہی تھی۔ ان کے پیچھے دو ٹیکسیاں اور آ رہی تھیں۔

محمود، فاروق اور فرزانہ کو بڑا اطمینان تھا کہ ان کے والد ان کے آس پاس ہی کہیں موجود ہیں اور ضرورت کے وقت ان کی مدد کر سکتے ہیں۔ اچانک انہوں نے دیکھا، ان سے پچھلی ٹیکسی کی رفتار اچانک تیز ہو گئی۔ پھر وہ ان سے آگے نکل کر چلنے لگی۔ تیسری ٹیکسی ان کے عین پیچھے آ گئی، جس کا مطلب یہ تھا کہ انہیں درمیان میں لے لیا گیا تھا۔

تینوں نے عقبی آئینے میں بار بار دیکھا، لیکن پچھلی ٹیکسی کے پیچھے کوئی بھی گاڑی آتی نظر نہ آئی۔ کافی دیر تک وہ اس امید پر رہے کہ جلد ہی ان کے والد کی جیپ یا کوئی کار انہیں نظر آ جائے گی۔ لیکن ایسا نہیں ہوا، اب تو وہ بہت گھبرائے، لیکن اس حالت میں وہ کچھ بھی نہیں کر سکتے تھے، ٹیکسی بڑی تیزی سے چلی جا رہی تھی۔

"تم تینوں کو چپ کیوں سونگھ گئی، تمہاری تو زبانیں بہت تیزی سے چلتی ہیں۔" ڈرائیور ان کی خاموشی کو برداشت نہ کر سکا۔

"صبح سے چلتے چلتے تھک گئی ہیں۔" فاروق نے بڑبڑانے کے انداز میں کہا۔

"ایسی بھی کیا تھکن کہ ایک بات بھی نہیں کر سکتے۔" ڈرائیور نے ہنس کر کہا۔

"یہ بات تو خیر نہیں، کرنے کو تو ہم بے شمار باتیں کر سکتے ہیں، ذرا اس پستول کو جیب میں رکھ لیں، پھر ہماری زبانوں کا کمال دیکھیں۔" محمود نے کہا۔

"تو کیا... پستولوں کی موجودگی میں یہ گنگ ہو جاتی ہیں۔"

"نہیں۔ ہم پستولوں سے ڈرنے والے نہیں۔" فرزانہ نے کہا۔

"تو پھر کس چیز سے ڈرنے والے ہو۔" اس نے ہنس کر پوچھا۔

"خدا سے جس سے تم نہیں ڈرتے۔" فرزانہ مسکرائی۔

"بہت خوب! تو تم خدا پر بھی ایمان رکھتے ہو۔" اس نے مذاق اڑانے والے انداز میں کہا۔

"ہاں! خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے۔" محمود بولا۔

ڈرائیور خاموش ہو گیا، تینوں صرف ایک بات سوچنے لگے۔ ٹیکسیوں کے پیچھے کوئی گاڑی تعاقب کرتی کیوں نظر نہیں آ رہی۔ ان کے ابا جان کہاں ہیں انہوں نے تو بتایا تھا کہ ان کے آس پاس رہیں گے کہیں وہ لیٹ تو نہیں ہو گئے۔ اب ہمارا کیا بنے گا، کیا ہم ان لوگوں سے پیچھا چھڑا لیں، لیکن یہ بھی غلط ہو گا، کیونکہ ان کی ہدایت تو یہ ہے کہ ہمیں اغوا ہونا ہے۔

وہ خیالات میں گم رہے، ٹیکسی چلتی رہی۔ وہ کبھی کبھی خیالات سے چونک کر پیچھے دیکھتے رہے، لیکن انہیں اپنے والد کی گاڑی آتی نظر نہ آئی۔ آخر وہ مایوس ہو گئے۔ یہ سمجھ گئے کہ وہ کہیں اور الجھ گئے ہیں۔ عین اسی وقت اگلی ٹیکسی رکی، پھر ان کی ٹیکسی بھی اس کے پیچھے رک گئی اور اسی طرح تیسری بھی۔ انہیں نیچے اتار لیا گیا۔ تینوں نے دیکھا، آبادی سے دور وہ ایک پرانی سی کوٹھی کے سامنے کھڑے تھے۔ اس کا بیرونی پھاٹک لوہے کا تھا۔ اب دوسرے دو ڈرائیوروں نے بھی پستول نکال لیے اور ان تینوں کو اندر چلنے کا اشارہ کیا، پھاٹک پر کوئی چوکی دار نہیں تھا، تاہم پھاٹک اندر سے بند نہیں تھا، وہ اندر داخل ہوئے اب ان کے سامنے... ایک برآمدہ تھا۔ اس برآمدے میں تین کمروں کے دروازے نظر آ رہے تھے۔ پہلے ڈرائیور نے آگے بڑھ کر درمیانی دروازے پر دستک دی۔ دروازہ تقریباً ایک منٹ بعد کھلا اور جورڈی کی شکل دکھائی دی۔ ساتھ ہی اس کے منہ سے نکلا۔

"بہت خوب، تو تم انہیں لے آئے ہو، یہ کام کیا ہے تم نے..."

دروازے پر روشنی بہت مدھم تھی، جورڈی ابھی ان تینوں کو غور سے نہیں دیکھ سکا تھا۔ اس نے مڑتے ہوئے کہا۔

"انہیں اندر لے آؤ۔"

ان کی کمروں پر پستولوں کی نالیاں رکھ کر اندر کی طرف دھکیلا گیا اور وہ کمرے میں داخل ہوئے۔ کمرہ پوری طرح روشن تھا، پھر جونہی جورڈی ان کی طرف مڑا، اس کا رنگ اُڑ گیا۔ چہرہ دھواں ہو گیا، آنکھیں مارے خوف اور دہشت سے پھیل گئیں۔ اس نے خوفزدہ انداز میں چیخ کر کہا۔

"اوہ نادانو! یہ تم کن بچوں کو لے آئے ہو۔"

"کیوں جناب! کیا ہوا۔"

"یہ... یہ... یہ بچے خطرناک ہیں۔"

جورڈی کا لہجہ اس حد تک خوف میں ڈوبا ہوا تھا کہ ان تینوں کو اپنے جسموں سے جان نکلتی محسوس ہوئی۔

O

کئی سیکنڈ گزر گئے، کمرے میں موت کا سناٹا طاری رہا، آخر ٹام نے ایک قدم آگے بڑھ کر جورڈی سے کہا۔

"ایسی کیا بات ہے جناب... آخر یہ ہیں تو بچے ہی۔"

"ہاں! یہ بچے ہیں، لیکن بڑوں سے زیادہ خطرناک... تم نہیں جانتے، لیکن میں اچھی طرح واقف ہوں، کیونکہ میں دارالحکومت میں رہتا رہا ہوں، جلدی بتاؤ، کیا تمہارے پیچھے بھی کوئی ٹیکسی یا کار تھی۔"

"نہیں! ہمارا تعاقب نہیں کیا گیا، ہمارے پیچھے دور دور تک کوئی گاڑی نہیں تھی، اس بات میں ایک فیصد بھی شک نہیں۔"

"بہت اچھا ٹام، تم جلدی سے چھت پر چڑھ جاؤ، اور چاروں طرف غور سے دیکھو، آس پاس کچھ لوگ تو دکھائی نہیں دے رہے، کوئی گاڑی تو اس طرف آتی نظر نہیں آ رہی، جلدی کرو۔" اس نے گھبرائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"اچھا!" ٹام نے کہا اور دوڑتا ہوا باہر نکل گیا۔

"آخر بات کیا ہے؟" جموگا نے پریشان ہو کر کہا۔

"ایک منٹ ٹھہرو... ٹام کو واپس آ لینے دو۔ پھر میں تمہیں بتاؤں گا، بات کیا ہے۔" جورڈی بولا۔

جلد ہی ٹام واپس آ گیا۔ اس کے چہرے پر اطمینان کے آثار تھے، آتے ہی بولا۔

"دور دور تک کسی گاڑی کا کوئی نشان نہیں، نہ کوٹھی کے آس پاس کوئی انسان نظر آ رہا ہے۔"

"کیا تم پوری طرح اطمینان کر چکے ہو۔" اس نے پوچھا۔

"جی ہاں۔"

"ٹھہرو... میں خود بھی دیکھ آؤں، تم تینوں اپنے اپنے پستول نکال کر ان کی طرف تانے رہو۔ یہ بہت خطرناک ہیں، تمہاری ذرا سی بھول سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔"

"آپ فکر نہ کریں، یہ اپنی جگہ سے حرکت بھی نہیں کریں گے۔"
ٹام بولا، اور جورڈی بھاگتا چلا گیا۔ وہ اس کے واپس آنے کا انتظار کرتے رہے۔ کمرے میں گہری خاموشی چھا گئی۔ محمود، فاروق اور فرزانہ ابھی کس طرح کوئی حرکت کر سکتے تھے، انہیں ابھی کچھ معلوم نہیں تھا، معاملہ کیا ہے، ان کے والد کا پروگرام کیا ہے، وہ یہاں کیوں نہیں پہنچے اور ان کے یہاں تک پہنچنے کے امکانات... کیا ہیں، جب تک کوئی واضح صورت ان کے سامنے نہیں آ جاتی، وہ کچھ کرنے کے بارے میں نہیں سوچ سکتے تھے۔ تھوڑی دیر بعد جورڈی اندر داخل ہوا۔

"اس میں کوئی شک نہیں کہ دور دور تک کوئی نہیں ہے اور یہ بات میری حیرت میں اضافہ کر رہی ہے، خیر میں پروفیسر سے بات کر لیتا ہوں، تم تینوں ابھی واپس نہیں جاؤ گے، یہیں ٹھہرو گے اور ان کو نظروں میں رکھو گے۔"

یہ کہہ کر جورڈی نے درمیانی دروازہ کھولا اور دوسرے کمرے میں داخل ہوا۔ وہ ایک بار پھر انتظار کرنے لگے، محمود، فاروق اور فرزانہ تیزی سے اپنے ذہنوں کو گردش دے رہے تھے، ایک ایک چیز کو غور سے دیکھ رہے تھے۔

"بات کچھ پلے نہیں پڑی، آخر مسٹر جورڈی اتنے گھبرا کیوں گئے ہیں۔" روڈے نے کہا۔

"بات تو کوئی ضرور ہے۔" ٹام بولا۔

"ابھی پتا چل جاتا ہے۔" جموگا بولا۔

اسی وقت جورڈی اندر داخل ہوا۔ اس نے آتے ہی اپنے تینوں ساتھیوں سے مخاطب ہو کر کہا۔

"سب سے پہلے تو کوٹھی کا پھاٹک اور بیرونی دروازے اندر سے بند کر دو، تمام کھڑکیاں بھی بند کر دو، اس کے بعد تم میں سے ایک چھت پر چلا جائے اور چاروں طرف دیکھتا رہے جو نہی کوئی گاڑی یا آدمی کوٹھی کی طرف آتا نظر آئے، فوراً اطلاع دے، دوسرے دو یہیں موجود رہیں گے۔ میں ان تینوں کو لے کر پروفیسر کے پاس جا رہا ہوں، تمہیں اسی کمرے میں موجود رہنا ہے۔ اگر کوئی خطرہ محسوس ہو، یا اوپر سے کسی کے آنے کی اطلاع ملے تو درمیانی دروازے پر تین بار دستک دینا۔ اگر کوئی نہ آیا اور ہم خطرے سے باہر رہے تو پھر ان تینوں میں سے ایک کی لاش تمہارے حوالے کر دی جائے گی، اسے تم شہر کی کسی بھی سڑک پر ڈال دینا۔ کل پھر تمہیں یہی کام کرنا ہوگا اور اس کے بعد پرسوں بھی... اس کے بعد ہمارا کام مکمل ہو جائے گا، تمہیں تمہاری محنتوں کا صلہ دیا جائے گا اور مجھے میرا انعام مل جائے گا۔" یہ کہہ کر جورڈی خاموش ہو گیا۔

"لیکن ابھی تک آپ نے یہ نہیں بتایا کہ چکر کیا ہے، یہ بچے کون ہیں اور ان کے لیے اس قدر حفاظتی انتظامات کرنے کی کیا ضرورت پیش آ گئی۔" ٹام نے کہا۔

"تم دراصل کبھی دارالحکومت میں نہیں رہے، ورنہ شاید یہ سوال نہ کرتے، اس سے پہلے کہ میں تمہیں یہ بتاؤں، یہ کون ہیں، پہلے یہ فیصلہ کر لو کہ چھت پہ کون جائے گا، میرا خیال ہے روڈا ٹھیک رہے گا۔"

"بہتر!" روڈے نے کہا۔

"اب سنو - یہ انسپکٹر جمشید کے بچے ہیں۔"

"کیا!!!" تینوں حلق پھاڑ کر چلائے۔

○

لاکٹ

جورڈی نے پستول نکال لیا اور ان کی طرف تانتے ہوئے بولا۔

"اندر چلو۔"

"جہاں جی چاہے لے چلو، اب تم نے ہمیں پہچان ہی لیا ہے۔" فاروق نے مسمسی صورت بنائی۔

"تمہارے والد نے تمہیں کیا ہدایات دی تھیں۔" جورڈی نے پوچھا۔

"انہوں نے ہمیں ہوٹل النور میں ٹھہرنے کی ہدایت کی تھی، ہم اسٹیشن سے اترے تو تمہارے ساتھیوں نے اغوا کرنا چاہا، لیکن ہم بچ نکلے اور ہوٹل تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئے، اب ہم گھومنے نکلے تھے کہ ہمیں گھیر لیا گیا۔" محمود نے بتایا۔

"اور اس دوران تمہاری ملاقات تمہارے والد سے نہیں ہوئی؟" اس نے پوچھا۔

"ہوئی تھی، لیکن وہ بہت مختصر سی ملاقات تھی۔"

"اس ملاقات میں انہوں نے کیا کہا تھا۔"

"انہوں نے یہاں ہونے والی وارداتوں کے بارے میں بتایا تھا اور پھر رات کے وقت ہوٹل سے نکل کر سڑک پر گھومنے کی ہدایت کی تھی۔ اس وقت ہم یونہی چہل قدمی کرنے نکلے تھے۔" محمود نے کہا۔

"اوہ! اس کا مطلب ہے، انہیں تمہارے بارے میں کچھ معلوم نہیں۔"

"نہیں۔" فرزانہ کے منہ سے حسرت زدہ لہجے میں نکلا۔

"واہ! پھر تو مزا آ گیا۔" اس نے خوش ہو کر کہا۔

"ہاں! مزا تو ہمیں بھی آ رہا ہے۔" فاروق نے رو دینے والے انداز میں کہا۔

"لیکن تمہاری آواز تو رو رہی ہے۔"

"ہاں، یہ تمہاری حالت پر رو رہی ہے۔" اس نے کہا۔

"اندر چلو، پھر بات ہو گی۔" جورڈی نے منہ بنا کر کہا۔

"چلو۔" محمود نے لاپروائی سے کہا۔

جورڈی نے دروازہ کھول ڈالا اور ان کے پیچھے پروفیسر کے کمرے میں داخل ہوا۔ پروفیسر اسی آرام کرسی پر بیٹھا تھا۔

"تو یہ انسپکٹر جمشید کے بچے ہیں!" اس نے کہا۔

"جی ہاں!" جورڈی بولا۔

"خیر ہے، اس سے کیا، ہمیں تو تین عدد تندرست لڑکوں یا لڑکیوں کی ضرورت تھی، سو وہ پوری ہو گئی۔۔۔ شام۔۔۔ روڈا

اور جموگا نے اپنا کام پورا کر دیا ہے، میں آج انہیں بھی انعام دینا چاہتا ہوں۔ روڈا چھت سے واپس آ جائے تو ان تینوں کو بھی اندر بلا لینا۔ تم ان تینوں کو نظر میں رکھو، میں اندر اپنی تیاری مکمل کر آؤں۔" یہ کہہ کر وہ اُٹھا اور سامنے والی دیوار میں بنے ایک اور کمرے کے دروازے کو دھکیل کر ان کی نظروں سے اُوجھل ہو گیا۔

جورڈی نے انہیں کرسیوں پر بیٹھنے کا اشارہ کیا اور خود بھی بیٹھ گیا۔ اس کے دائیں ہاتھ میں بدستور پستول موجود تھا۔

"تم لوگ کر کیا رہے ہو؟" محمود نے پوچھا۔

"اس کا علم پروفیسر کے سوا کسی کو بھی نہیں۔" جورڈی نے کہا۔

"ان بچوں کو ہلاک کس طرح کر دیا جاتا ہے جب کہ ان کے جسم پر زخم کا کوئی نشان بھی نہیں ملتا۔" فاروق نے پوچھا۔

"اس سوال کا جواب بھی صرف پروفیسر کے پاس ہے۔"

"پھر تو تم یہاں بالکل بے اختیار ہو۔" فرزانہ نے کہا۔

"یہی سمجھ لو، لیکن پروفیسر نے وعدہ کیا تھا کہ سات بچے پورے ہو جانے کے بعد راز مجھے بتا دے گا، لہٰذا آج سب کچھ معلوم ہو جائے گا۔" جورڈی بولا۔

"جو کام پروفیسر کر رہا ہے، اگر وہ تمہیں پسند نہ آیا یا تمہارے ضمیر نے اسے برداشت نہ کیا تو پھر تم کیا کرو گے، کیا پروفیسر

کے خلاف لڑو گے۔" فاروق نے پوچھا۔

"نہیں! میں پروفیسر سے نہیں لڑ سکتا۔ وہ بہت طاقت ور ہے۔"

"ارے! ادھیڑ عمر تو آدمی ہے۔" فاروق نے مذاق اڑانے والے لہجے میں کہا۔

"ہاں! لیکن اس کوٹھی میں اس کی حکومت ہے۔"

"اس کا مطلب ہے تم ہر حال میں پروفیسر کا حکم مانو گے۔"

"ہاں! اس لیے کہ مجھے اس نے ایک لاکھ روپے ماہوار تنخواہ دینے کا وعدہ کیا ہے۔"

"کیا کہا... ایک لاکھ روپے ماہوار۔" محمود کے لہجے میں حد درجے حیرت تھی، فاروق اور فرزانہ کا منہ بھی مارے حیرت کے کھلا کا کھلا رہ گیا۔

"ہم نے آج تک کسی انسان کی اتنی تنخواہ نہیں سنی۔" فرزانہ کے منہ سے نکلا۔

"اسی لیے میں پروفیسر کا وفادار رہوں گا، چاہے وہ کچھ بھی کیوں نہ کرے۔" اس نے کہا۔

"سوال یہ ہے کہ پروفیسر کے پاس اتنی دولت آئی کہاں سے؟" محمود بولا۔

"یہ میں کچھ نہیں جانتا۔" اس نے جواب دیا۔

اسی وقت پروفیسر اس دروازے سے واپس آتا نظر آیا... قریب آنے پر اس نے کہا۔

"تیاری مکمل ہے آج رات ان تینوں کو کام میں لاؤں گا۔ اگرچہ اس سے پہلے پروگرام یہ تھا کہ ایک بچہ روزانہ کام میں لایا جائے گا، لیکن اب چونکہ یہ تینوں ایک ہی وقت میں ہمارے ہاتھ لگ چکے ہیں اور انہیں اپنے پاس رکھنا بھی خطرے سے خالی نہیں لہذا ان سے ہم آج ہی فارغ ہو جائیں گے، کل ان کی لاشیں شہریوں کو کسی سڑک پر پڑی مل جائیں گی، لیکن سب سے پہلے ٹام، روڈا اور جموگا کو اندر بلاؤ، تاکہ انہیں ان کا حق دے کر رخصت کر دیا جائے۔"

"بہت بہتر پروفیسر۔" جورڈی نے کہا اور درمیانی دروازے سے باہر نکل گیا۔

یہاں ٹام اور جموگا موجود تھے۔ اس نے ٹام سے کہا۔

"ابھی تک روڈا تو نیچے نہیں آتا۔"

"جی نہیں۔"

"ٹھیک ہے، اسے لے آؤ، پروفیسر تم تینوں کو تمہارا حق دینا چاہتا ہے۔"

"بہت خوب!" ٹام نے خوش ہو کر کہا اور کمرے سے باہر چلا گیا، جلد ہی وہ روڈے کے ساتھ واپس آیا۔

"آؤ بھئی... تم تینوں آؤ۔"

وہ انہیں لے کر پروفیسر کے کمرے میں داخل ہوا، اور پھر اس کے چہرے پر نظر پڑتے ہی حیرت زدہ رہ گئے۔ انہوں نے اس جگہ اسے پہلی مرتبہ دیکھا تھا، لیکن وہ شہر میں اس شخص کو کئی بار دیکھ چکے تھے۔ انہیں کیا معلوم تھا کہ وہ اس کے لیے کام کر رہے ہیں۔

"تم تینوں نے میرے لیے بہت کام کیا ہے، میں تمہیں ایک ایک لاکھ روپے انعام دینے کا اعلان کرتا ہوں، میں نے تین عدد چیک لکھ کر تیار رکھے ہوئے ہیں، تم جورڈی کو اپنے اپنے گھر کا پتا لکھوا دو، چیک تمہارے گھر بھیج دیے جائیں گے۔"

"لیکن چیک آپ ہمیں ہی کیوں نہیں دے دیتے۔" ٹام نے سہم کر کہا۔

"اس لیے کہ تم نے میرا چہرہ دیکھ لیا ہے، تم میرے جرم کے عینی شاہد بن گئے ہو۔ اگر کہیں تم گرفتار ہو گئے تو پولیس کی سختی ہونے پر فوراً اگل دو گے کہ میں نے تم سے سات بچے اغوا کرائے تھے اور ان کی لاشیں سڑکوں پر ملی تھیں۔ اس طرح میں پھانسی کے تختے پر چڑھ جاؤں گا، لیکن میں ایسا نہیں چاہتا۔ اس لیے جورڈی... یہ تینوں بھی یہاں سے زندہ نہیں جائیں گے، البتہ ان کے انعام کی رقم ان کے گھر ضرور بھیجی جائے گی، چیکوں کے ساتھ ان کی طرف سے ایک ایک رقعہ بھی جائے گا جس میں لکھا ہوگا، یہ چیک کیش کرا لیں، ہم ایک لمبی مہم پر جا رہے ہیں، نہ جانے کب لوٹیں۔"

"نہیں نہیں... نہیں۔" وہ تینوں مارے خوف کے چلائے۔

خود جورڈی بھی کانپ اٹھا، شاید اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ پروفیسر انہیں یہ انعام دے گا۔

"یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔" جورڈی کے منہ سے نکلا۔

"میں ٹھیک کہہ رہا ہوں جورڈی، ان لوگوں کو زندہ چھوڑنا ہم دونوں کے لیے خطرناک ہے۔" پروفیسر نے کہا۔

"بہت بہتر... جیسے آپ کی مرضی۔" جورڈی نے کہا۔

"بہت خوب جورڈی، مجھے تم سے یہی امید تھی۔"

"مگر ہمیں تم سے یہ امید نہیں تھی جورڈی۔" ٹام نے لرزتی آواز میں کہا۔

"مجھے افسوس ہے دوستو۔" جورڈی نے کہا۔

"خیر... مرنا تو ہے ہی... مرنے سے پہلے ہمیں یہ تو بتا دیں کہ آخر بچوں کو اس طرح اغوا کرانے کا مقصد کیا ہے، اس وقت تک چار بچوں کو کس طرح ہلاک کیا گیا ہے، ان کی لاشیں سڑکوں پر کیوں پھنکوائی گئی ہیں۔" روڈے نے کہا اور جورڈی انہیں حیرت زدہ نظروں سے دیکھنے لگا۔

"ہاں! میں یہ بتانے میں کوئی حرج نہیں سمجھتا، کیونکہ تمہارا آخری وقت ہے، میں اسے تمہاری آخری خواہش خیال کرتا ہوں اور پھر مجھے جورڈی کو بھی تو ساری بات بتانی ہے۔ آئندہ جورڈی میرے بہت کام آنے والا ہے، تو سنو... بات یہ ہے کہ میں نے آبِ حیات بنانے کا نسخہ معلوم کر لیا ہے۔"

"کیا... آبِ حیات؟" جورڈی اور کئی دوسروں کے منہ سے نکلا۔

"ہاں! دو دن بعد میرے پاس آبِ حیات موجود ہوگا، اس کا صرف ایک قطرہ ایک انسان کو ہمیشہ کی زندگی بخش دے گا، پھر وہ آدمی کبھی مرے گا نہیں... سب سے پہلے اس آبِ حیات کا ایک قطرہ میں اپنے حلق سے اتاروں گا پھر جورڈی... اور اس کے بعد میں ملک میں یہ اعلان کرا دوں گا کہ میں نے آبِ حیات بنا لیا ہے جو شخص ہمیشہ زندہ رہنا چاہتا ہے، وہ میری خدمات حاصل کرے۔ دنیا کے دولت مند ترین لوگ میرے پاس دوڑتے چلے آئیں گے، میں آبِ حیات کے ایک قطرے کی قیمت ایک لاکھ روپے رکھوں گا اور چند ہی دنوں میں کروڑ پتی بن جاؤں گا... ہا ہا ہا۔"

یہ کہتے ہوئے پروفیسر نے ایک زور دار قہقہہ لگایا، وہ سب سناٹے میں آ گئے۔ اسی وقت پروفیسر نے کہنا شروع کیا۔

"میں نے اپنی عمر کے بیس سال اس تجربے پر صرف کیے ہیں، بیس سال پہلے ایک رسالے میں اس موضوع پر ایک مضمون بھی لکھا تھا... دراصل نوعمر لڑکوں یا لڑکیوں کی ریڑھ کی ہڈی کے اندر شفاف پانی کی مانند ایک ڈیڑھ تولا کے قریب ایک رطوبت ہوتی ہے۔ سات بچوں کی رطوبت کو لے کر ایک جگہ ملا دیا جائے اور اس میں خاص قسم کی کیمیائی چیزیں شامل کر دی جائیں تو آبِ حیات بن جاتا ہے، میں نے یہ تجربہ بلیوں پر کیا تھا، سات بلیوں کے بچوں کی ریڑھ کی ہڈیوں سے وہ عرق حاصل کیا اور اس سے آبِ حیات بنایا، پھر ایک بلی کو پلایا، وہ بلی آج بیس سال بعد بھی زندہ ہے اور اب میں بھی زندہ رہوں گا، انسانی آبِ حیات اب چند روزہ بات رہ گئی ہے۔"

"تو کیا وہ رطوبت نکلنے کے بعد بچہ مر جاتا ہے؟" روڈے نے کہا۔

"ہاں! یہی وجہ ہے کہ بچے کے جسم پر نہ کسی زخم کا نشان ہوتا ہے نہ اس کا گلا وغیرہ گھٹا ہوا پایا جاتا ہے۔" پروفیسر نے بتایا۔

"اوہ! تو یہ بات ہے۔" روڈا بولا۔

"ہاں! اب تم لوگ مرنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔"

"لیکن پروفیسر صاحب... ابھی تو آپ کو ہمارے گھر کے پتے نوٹ کرنے ہیں۔ کیا چیک بھیجنے کا وعدہ صرف زبانی جمع

تک ہی تھا۔" روڈے نے کہا۔

"اوہ ہاں! میں تو بھول ہی گیا۔" پروفیسر مسکرا کر بولا۔ "ٹھیک ہے جورڈی تم ان تینوں کے گھر کے پتے لکھ لو۔"

"بہت اچھا پروفیسر۔۔۔ ہاں ٹام۔۔۔ تمہارے گھر کا پتا کیا ہے۔"

"میرے گھر والوں کو ایک لاکھ روپے کی نہیں، میری ضرورت ہے، خدا کے لیے پروفیسر سے ہماری جان بخشی کروا دو۔" ٹام نے گڑگڑا کر کہا۔

"یہ تو ناممکن ہے۔۔۔ پروفیسر ایک بار جو فیصلہ کر لیتے ہیں پھر نہیں بدلتے۔ پتا بتاؤ۔"

"اُف خدا۔۔۔ مم۔۔۔ میرا گھر شہر کی سلطان روڈ پر ہے تیسری گلی مکان نمبر 9۔" اس نے تھر تھر کانپتے ہوئے کہا۔

"چلو جموکا۔ تم بھی پتا بتا دو۔"

اس نے بھی لڑکھڑاتی زبان سے پتا بتایا، ان کا حال بہت پتلا تھا، یوں لگتا تھا جیسے پروفیسر کے وار سے پہلے ہی ان کی روحیں قبض ہو جائیں گی۔ اب جورڈی روڈے کی طرف مڑا اور بولا۔

"اور تمہارا کیا پتا ہے روڈے۔"

"میرا پتا۔" اس نے کھوئے ہوئے انداز میں کہا۔

اچانک محمود، فاروق اور فرزانہ نے شدید قسم کی بے چینی محسوس کی۔ ابھی تک ان کے والد کا دور دور تک پتا نہیں تھا جب کہ انہوں نے کہا تھا وہ ان کے آس پاس رہیں گے، وہ سوچ رہے تھے کہ شاید انہیں عین وقت پر کوئی مشکل پیش آ گئی یا کوئی اور بہت خاص کام آ پڑا۔۔۔ لیکن ہماری جانوں سے زیادہ انہیں کس چیز کی پروا ہو سکتی ہے اور یہ بالکل ثابت ہے کہ وہ ہمیں اغوا ہونے کا اشارہ نہ کرتے تو ان ٹیکسی ڈرائیوروں کی کیا مجال تھی کہ ہم پر ہاتھ ڈال سکتے۔

"ہاں میرا پتہ بھی لکھ لو، مرنا ہی ہے تو اپنے گھر والوں کو ایک لاکھ روپیہ کیوں نہ دلوا دیا جائے۔" یہ کہتے ہوئے اس نے پتا لکھوا دیا۔

"بہت خوب۔۔۔ جورڈی۔ اب ان لوگوں کو اندر تجربہ گاہ میں لے چلو اور ہاں اپنا پستول ہاتھ میں لے لو، یہ کوئی حرکت نہ کر بیٹھیں۔"

"میرے ہوتے ہوئے ان کی ایسی مجال کیا، یہ تینوں تو میرے لیے بھیگی بلی سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتے۔" جورڈی بولا۔

"لیکن یہاں انسپکٹر جمشید کے بچے بھی تو ہیں۔" پروفیسر بولا۔

"ہاں! ان کے لیے پستول ضروری ہے۔" یہ کہہ کر اس نے ہاتھ میں پستول لے لیا اور اس کی نالی سے اس دروازے کی

طرف اشارہ کیا جس سے پروفیسر ابھی تھوڑی دیر پہلے باہر نکلا تھا۔

"چلو، اس طرف۔"

محمود، فاروق اور فرزانہ نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور آنکھوں ہی آنکھوں میں فیصلہ کیا کہ تجربہ گاہ بھی دیکھ لینی چاہیے۔ اس سے پہلے کچھ نہیں کیا جائے گا۔ آخر وہ اس کمرے میں داخل ہوئے۔ یہاں ایک چھوٹی سی مشین لگی تھی۔ اس میں عجیب و غریب سے آلات نصب تھے۔ مشین کے پاس ہی ایک لمبی سی میز بچھی تھی۔ اس میز کی لمبائی والی اطراف میں لوہے کے کڑے لگے ہوئے تھے، اور ان کڑوں سے ریشمی ڈوریاں بندھی تھیں، وہ سمجھ گئے کہ اس میز پر بچے کو لٹا کر ریڑھ کی ہڈی سے رطوبت نکالی جاتی ہو گی اور شاید اس مشین کی مدد سے نکالی جاتی ہو گی۔

"مرنے سے پہلے ایک بات اور پوچھنا چاہتا ہوں پروفیسر صاحب۔" روڈے کی آواز نے انہیں چونکا دیا۔

"ضرور پوچھو۔ ضرور جواب ملے گا۔" پروفیسر بولا۔

"لڑکوں کی بجائے یہ رطوبت آپ نے جوان آدمیوں کے جسم سے کیوں حاصل نہیں کی۔"

"یہ رطوبت بہترین حالت میں صرف بچوں میں ہوتی ہے۔" اس نے جواب دیا۔ "جوان مردوں اور عورتوں کے جسم سے حاصل کیا ہوا عرق بہترین آبِ حیات نہیں بنا سکتا۔"

"بہت اچھا! میں سمجھ گیا اور چونکہ اب ہم سب کچھ جان گئے ہیں، اس لیے اس کھیل کو ختم ہو جانا چاہیے۔" روڈے نے کہا۔

"ہاں! تمہارا کھیل تو آج ہی ختم ہو جائے گا۔" پروفیسر مسکرایا۔ "مسٹر جورڈی۔ میں تم سے بھی ایک بات کہنا چاہتا ہوں۔"

"کہو! روڈے کیا کہنا چاہتے ہو۔"

"یہ کہ ہمیں مارنے کے بعد اور آبِ حیات بنا لینے کے بعد پروفیسر تمہیں بھی ایک قطرہ پینے کے لیے دے گا، تم اسے آبِ حیات سمجھ کر پی جاؤ گے اور موت کی نیند سو جاؤ گے۔" روڈے نے عجیب سے لہجے میں کہا۔

"کیا مطلب!" جورڈی چونکا۔

"مطلب یہ کہ پروفیسر تمہیں بھی زندہ نہیں چھوڑے گا، وہ اس راز میں کسی کو شریک نہیں بنائے گا اور پھر تم تو اس کے جرم کا ثبوت ہو، وہ تمہیں آبِ حیات کے بہانے زہر کا ایک قطرہ پلا دے گا۔"

"نہیں۔ یہ غلط ہے۔" جورڈی نے ہنس کر کہا۔ "کیوں پروفیسر یہ غلط ہے نا۔" یہ کہہ کر اس نے اس کی طرف دیکھا۔

پروفیسر کے چہرے پر ایک رنگ آ کر گزر گیا۔ پھر جلدی سے بولا۔

"بالکل غلط ہے جورڈی، تم سے اچھا ساتھی بھلا مجھے کہاں ملے گا، یہ تمہیں ورغلانا چاہتا ہے۔"

"بہت بہتر۔ دو دن بعد مسٹر جورڈی خود ہی دیکھ لیں گے۔" یہ کہہ کر روڈا خاموش ہو گیا۔ پھر انہوں نے ایک آواز سنی، یہ آواز فاروق کی تھی۔

"دوستو! اب ایک بات ہماری بھی سن لو، تم لوگ بہت دیر سے باتیں کر رہے ہو اور ہمیں تم لوگوں نے اس طرح نظر انداز کر دیا ہے جیسے ہم گوشت پوست کے انسان نہ ہوں، موم کے بنے ہوئے ہوں، حالانکہ ہم موم کے بنے ہوئے ہرگز نہیں ہیں، اگر یقین نہیں آتا تو کمرے میں آگ جلا کر دیکھ لو... موم کے ہوں گے تو فوراً پگھل جائیں گے اور نہ ہی ہم موم کی ناکیں ہیں جدھر چاہو گے، موڑ لو گے۔ میرا مطلب ہے اس میز کی طرف... نہیں دوستو۔ ہم تو تمہارے راستے کے پتھر ثابت ہوں گے، تم ان تینوں کو بھی ختم نہیں کر سکتے۔ ہم یہ ظلم بھی نہیں ہونے دیں گے۔"

فاروق کا انداز تقریر کرنے کا تھا... ٹام، جھوگا اور روڈا اسے حیرت سے آنکھیں پھاڑے دیکھ رہے تھے۔

"تم کیا کرو گے؟" جورڈی نے مذاق اڑانے والے لہجے میں کہا۔

"ہم وہ کریں گے جو تمہارے وہم و گمان میں بھی نہیں ہو سکتا۔

تم نے ہمیں سمجھ کیا رکھا ہے، ہم اس کوٹھی کی اینٹ سے اینٹ بجا دیں گے اور یہ تینوں ہمارا ساتھ دیں گے، کیونکہ تم انہیں جان سے مار ڈالنا چاہتے ہو، کیوں دوستو... تم ہمارا ساتھ دو گے نا... اس طرح یہ صرف دو رہ جائیں گے اور ہم چھ... چھ آدمیوں کو دو آدمیوں سے ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔" فاروق کہتا چلا گیا۔

"نہیں۔ نہیں، ہم جورڈی سے نہیں لڑ سکتے، یہ بہت طاقت ور ہے۔" ٹام نے کانپ کر کہا۔

"تب تم بالکل بزدل ہو، نکمے ہو۔"

"ٹھہرو میاں! تم سب کو بزدل اور نکما نہیں کہہ سکتے، میں تمہارا ساتھ دوں گا۔" روڈا بولا۔

"بہت خوب! یہ ہوئی نا بات۔"

"روڈے۔ تمہاری یہ جرأت۔" جورڈی آگ بگولا ہو کر اس کی طرف جھپٹا اور ایک مکا پوری قوت سے روڈے کے منہ پر دے مارا، لیکن مکا اس کے منہ پر لگا نہیں۔ جورڈی کا ہاتھ گھوم کر رہ گیا، روڈا ایک قدم پیچھے ہٹ گیا تھا۔ جورڈی نے اسے مارے حیرت کے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھا اور بولا۔

"روڈے... یہ تم ہو۔"

"ہاں! جب کوئی انسان اپنی جان پر بنتی دیکھے تو پھر اس

ہیں بلا کی طاقت آ جاتی ہے۔" اس نے کہا۔

"میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔" یہ کہتے ہی اس نے اس پر فائر جھونک مارا۔ کمرے میں فائر کا ایک دھماکا گونجا اور انہوں نے روڈے کو گرتے دیکھا۔

"افسوس! ایک بہادر آدمی نے ہمارا ساتھ دینا چاہا تھا، وہ اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھا۔" محمود نے کہا۔

"پروا نہیں، ہمارے ہاتھ میں ایک ایسا تیر ہے جس نے ہمیں شیر بنا دیا ہے۔" فرزانہ مسکرائی۔

"کیا مطلب ...!" فاروق چونکا۔

"یہ لوگ ہم پر گولی نہیں چلا سکتے، کیونکہ زندہ حالت میں انہیں ہماری ریڑھ کی ہڈی کا عرق نکالنا ہے۔" اور بھاگ دوڑ میں یہ ہمارا مقابلہ نہیں کر سکتے، لہذا ہم تو نچا دیں گے انہیں تگنی کا ناچ۔" فرزانہ بولی۔

"جورڈی ... یہ لڑکی کیا کہہ رہی ہے۔"

"فکر نہ کریں پروفیسر ... پہلے میں ان دو کو جہنم میں پہنچا دوں۔" یہ کہہ کر اس کے پستول کا رُخ جموگا کی طرف ہو گیا۔ وہ اور ٹام تھر تھر کانپنے لگے۔

"ٹھہرو بھئی ... پہلے ایک آدمی کا تو مکمل طور پر صفایا کر لو۔" روڈے کی آواز سن کر وہ سب اُچھلے تھے۔ ان کا تو ننھیاں

تھا، گولی اس کے لگ چکی ہے لیکن وہ تو بالکل صحیح سلامت سیدھا کھڑا ہو گیا تھا۔ ساتھ ہی اس نے کہا۔

"گولی چلانے سے پہلے یہ سن لو کہ اس کوٹھی کو پولیس نے چاروں طرف سے گھیر لیا ہے۔"

"کیا بکواس ہے۔"

"یہ بکواس نہیں ... چھت پر میں ہی تو گیا تھا ... میں نے انہیں اپنی آنکھوں سے گھیرا ڈالتے ہوئے دیکھا ہے۔" اس نے کہا۔

"تو تم نے ہمیں بتایا کیوں نہیں تھا۔" جورڈی چنگھاڑا۔

"میں کیوں بتاتا، میں نے تو خود پولیس والوں کو اس کوٹھی کے گرد گھیرا ڈالنے کی ہدایت کی تھی۔"

"کیا کہا، یہ تم نے کیا ہے ... اوہ غدار ... میں تمہیں ایسی سزا دوں گا کہ ...."

"غدار نہیں انسپکٹر جمشید کہو بے وقوف۔"

اچانک روڈے کی آواز بدل گئی اور انسپکٹر جمشید کی آواز محمود، فاروق اور فرزانہ کے کانوں سے ٹکرائی۔ ان کے چہرے خوشی سے کھل اٹھے۔ وہ ایک ساتھ چلائے۔

"وہ مارا۔"

"میں نے تم سے کہا تھا نا ... میں تمہارے آس پاس رہوں گا۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔ وہ روڈے کے میک اپ میں تھے۔

اسی وقت جورڈی نے ان پر چھلانگ لگا دی، لیکن
ابھی وہ راستے میں ہی تھا کہ محمود کے پیر کی ٹھوکر اس
کے پیٹ پر لگی اور دوسری طرف اُلٹ گیا۔ یہاں فاروق
موجود تھا۔ اس نے فوراً اپنا پیر اس کی کلائی پر رکھ دیا،
اسی ہاتھ میں اس نے پستول پکڑ رکھا تھا، فرزانہ جھکی اور
پستول چھین لیا۔

"لو... دیکھ لو... میں نے ہاتھ بھی نہیں لگایا تمہیں....
اور تم پکڑے گئے... رہ گیا بے چارہ پروفیسر... وہ تو
ہے ہی بہت بزدل آدمی۔ اگر بزدل نہ ہوتا تو موت سے
کیوں ڈرتا، ہمیشہ زندہ رہنے کا خواب کیوں دیکھتا۔"

اسی وقت دوڑتے قدموں کی آواز سنائی دی... اور
پولیس والے اندر داخل ہوئے... ان میں مراد آباد کے
اعلےٰ افسر بھی تھے، انہوں نے جو پروفیسر کو دیکھا تو ان کی
آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔

"ارے... یہ تو... ڈاکٹر نعمانی ہے... ہسپتال
کا انچارج۔"

"ہاں! یہی اس سارے چکر کا ذمے دار ہے۔" انسپکٹر جمشید
نے یہ کہتے ہوئے اپنا میک اپ اتار دیا۔

"ابا جان! آپ روڈا کیسے بن گئے۔" فرزانہ نے پوچھا۔

"تم سے ملاقات کرنے کے بعد میں ہوٹل النور سے باہر
نکل کر روڈے کی ٹیکسی میں بیٹھ گیا تھا، وہ اگرچہ جانے
کے لیے تیار نہیں تھا مگر میں نے خود کو پولیس کا آدمی ظاہر
کیا اور یہ بھی کہا کہ نزدیک ہی جانا ہے... چنانچہ میں اسے
جنگل کی طرف لے گیا اور ایک جگہ ٹیکسی رکوا کر اس کی
کنپٹی پر ایک ہاتھ رسید کر کے اسے بے ہوش کر دیا،
پھر اس کے کپڑے پہن لیے اور چہرے پر اس کا میک اپ
کر لیا۔ تم جانتے ہی ہو، میرے پاس ایسی چھوٹی موٹی چیزیں
ہر وقت موجود رہتی ہیں، جن سے میں چہرے میں تبدیلی
کر سکتا ہوں، چنانچہ روڈا بن کر میں واپس ہوٹل النور آ گیا۔
ابھی تم تینوں ہوٹل سے نہیں نکلے تھے، ٹام اور جموگا ابھی
تک وہیں کھڑے تھے، میں نے جان بوجھ کر ٹیکسی ایسی جگہ
کھڑی کی جہاں سے میں ان سے پہلے نہیں نکل سکتا تھا کیونکہ
میں ان کے ٹھکانے سے بے خبر تھا، اس لیے سب سے
پیچھے آگے نہیں چل سکتا تھا اور اس طرح میں سب سے
آخر میں رہ کر یہاں تک پہنچا، لہٰذا ڈاکٹر نعمانی کا کھیل ختم
ہو گیا ہے۔ یہ ہمیشہ زندہ رہنا چاہتے تھے جو کہ قدرت کے
قانون کی سراسر خلاف ورزی ہے۔ اب ان پر چار بچوں کے
قتل کا مقدمہ چلے گا اور عدالت انہیں ایسی ہولناک سزا دے

گی کہ دنیا کانپ اُٹھے گی۔" انسپکٹر جمشید کا لہجہ خوفناک ہو گیا۔

"ایک بات سمجھ میں نہیں آئی ابا جان!" محمود نے کہا۔

"وہ کیا؟"

"تمام راستے ہم پیچھے مڑ مڑ کر دیکھتے آئے ہیں... لیکن پولیس کی کوئی گاڑی ہمیں آتی نظر نہیں آئی... پھر پولیس اچانک کس طرح پہنچ گئی۔"

"یہ کمال اس لاکٹ کا ہے جو میں نے فرزانہ کو ہوٹل میں پہنایا تھا۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"کیا مطلب؟"

"دراصل یہ صرف ایک لاکٹ ہی نہیں، ایک ایسا آلہ بھی ہے جو سمت بتاتا ہے، اس کا تعلق ایک دوسرے آلے سے ہوتا ہے اور یہ لاسلکی آلات کی طرح کام کرتا ہے۔ دوسرے آلے پر ایک ڈائل لگا ہوا ہے... اس کی سوئی اس سمت کی طرف اشارہ کرتی ہے جس جگہ یہ آلہ موجود ہوتا ہے، لہٰذا پولیس والے ہم سے آدھ گھنٹے بعد روانہ ہوئے تھے... تاکہ جوڑی اور پروفیسر ہوشیار نہ ہو جائیں۔"

"اوہ! تو یہ بات تھی...... آپ نے اس مقصد کے لیے لاکٹ فرزانہ کو دیا تھا... اب ہمیں اس بات کا کوئی افسوس نہیں کہ آپ نے اسے تو لاکٹ دیا اور ہمیں کوئی چیز نہیں دی...." محمود نے کہا۔

"اس کا مطلب یہ ہے کہ مراد آباد میں ہمارا کام ختم ہو چکا ہے۔" فرزانہ بولی۔

"ہاں! ویسے اگر تم یہاں کی سیر کرنا چاہو تو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہوگا... اب تو دوسرے بچے بھی گھروں سے نکل آئیں گے اور ہر طرف چہل پہل نظر آئے گی۔"

"میرا خیال ہے... واپس ہی چلے چلتے ہیں۔" فاروق نے گھبرا کر کہا۔

"کیوں! کیا سیر سے ڈر لگتا ہے۔"

"جی ہاں! مجھے ڈر ہے کہ کہیں کوئی اور چکر نہ شروع ہو جائے اور مراد آباد کی سیر کی حسرت دل میں ہی نہ رہ جائے... ایسا ہوا تو ہمیں اس چکر کو ختم کرنے کے لیے ہاتھ پیر ہلانے پڑیں گے، اور

اس چکر کو ختم کرنے کے بعد پھر ہم سیر کی سوچیں گے اور کہیں پھر کوئی چکر ...."

قہقہوں نے فاروق کی آواز کو اپنی لپیٹ میں لے لیا .... ہتھکڑیوں کے جوڑے مجرموں کی طرف بڑھنے لگے۔

○

دو خط — میرے نام

پیارے بھائی جان! السلام علیکم

کیا حال چال ہیں۔ میری پیاری سہیلی رضوانہ فضل علی ۔
خط لکھا جس کا آپ نے جواب دیا۔ یہ دیکھ کر مجھے بھی اشتیاق ہوا کہ آپ کو خط لکھ
نے آپ کی بے شمار کتابیں پڑھی ہیں، مثلاً چار اسرار ٹیلے، پارسل میں بم جیل سے
جواب کا ہنگامہ، پنسل کے شکار وغیرہ ۔ اگر آپ نے میرے خط کا جواب
میری بہنیں، میرے بھائی، امی اور ابو بہت خوش ہوں گے ۔ کاش آپ میرے
جواب دیں، شکریہ ! جواب جلد از جلد دینے کی کوشش کریں ۔
راحیلہ مقیم بیگ

پیارے انکل ۔ آداب
ہم آپ کی ساری کتابیں نہایت شوق سے پڑھتے ہیں اور
ہماری ساری سہیلیاں آپ کی کتابیں بہت پسند کرتی ہیں ۔ آپ سے گذارش ہے ان
کرداروں پر ایک فلم بنوائیں ۔ ہم چار سہیلیوں نے سکول میں اپنے نام محمود، فاروق،
فرزانہ اور انسپکٹر جمشید رکھے ہوئے ہیں ۔ آپ کا دماغ بائیونک تو نہیں جو اتنی اچھی
جاسوسی کتابیں لکھتے ہیں ۔ ہم پانچویں میں پڑھتے ہیں ۔
آپ کے :
غزالہ یاسمین ، غزالہ فرح ، شاہینہ ، منصورہ فردوس

ان بچوں نے اپنے خط پر پتے نہیں لکھے
بتائیے میں انہیں جواب کس طرح دوں ۔